اردو مرکز لائبریری

مشہور اردو مراثی کا انتخاب مناظر

تصویر مناظر

جلد سوم

مرتبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی ایس کالج۔ ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت

حضرات اراکین اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس واقع ایبٹ روڈ لاہور میں باہتمام بابو گوراندتامل چھپ کر شائع ہوئی

فہرست

تصویر مناظر

جلد سوم

میر انیس

نمود سحر

طے کرچکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح — ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح — ہر سُو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقابِ شب — در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب — دفتر کشائے صبح نے الٹی نقابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرہ مہتاب فق ہوا
سلطانِ شرق و غرب کا نظم و نسق ہوا

پہنچا جو مُہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب — گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشئ آسمان مع دفتر ہوا طلب — بس جا بجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں — چُن لے چمن سے جس طرح پھولوں کو باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پہ خزاں — مرجھا کے گر گئے ثمر و شاخ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے

پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور   یادِ خدا میں زمزمہ پردازیٔ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور   خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انساں زمیں پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخیٔ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار   وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار   پھُولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کُہسار

نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

منظر سحر

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح   گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح   سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گذارِ صبح

تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھِلتا ہے جیسے پھُول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم   مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم

وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نور صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدیؐ
روکے ہوئے تھی نہر کو اُمتّ رسولؐ کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتولؑ کی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

شام کربلا

گذرا جو وہ دن شام مصیبت نظر آئی — پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی — کھولے ہوئے گیسو شب آفت نظر آئی
راحت دل عالم سے فراموش ہوئی تھی
دنیا غمِ سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

جنگل میں اداسی تو وہ اور شام کا ہونا — بچوں کا وہ کھانے کیلئے بھوک میں رونا
پانی کی تمنا میں وہ منہ اشکوں سے دھونا — فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
لو چلتی تھی جب خاک میں اٹ جاتی تھی بچے
ماؤں سے اندھیری میں لپٹ جاتی تھی بچے

آتی تھی درندوں کی صدا گو بجتے تھے شیر — سب فرش پہ آندھی سے خس و خاک کا تھا ڈھیر
گل ہونے میں شمعوں کے نہ لگتی تھی ذرا دیر — کرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
جب اٹھتی تھیں چوبیں تو جھکا جاتا تھا خیمہ
پھرتی تھی ہوا جب تو اڑا جاتا تھا خیمہ

اجڑے ہوئے جنگل کی ڈرانی وہ صدائیں — تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعائیں
دھڑکا تھا کہ جانیں نہ کہیں بچوں کی جائیں — کس طرح اس آفت سے جگہ امن کی پائیں
یاں ان کے پانی سے چھٹے کھانے سے چھوٹے
ہو صبح تو جانیں کہ سیہ خانے سے چھوٹے

گرمی کے موسم میں سفر

خورشید درخشاں امامت ہے سفر میں
گردش نظر آتی ہے نظر دورِ قمر میں
احباب وطن پھرتے ہیں حضرت کی نظر میں
صغرا کے بچھڑ جانے کا ہے درد جگر میں
تشویش سے منہ قافلہ والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسفِ زہرا کو قلق ہے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں
یہ دھوپ میں حدت تھی کہ جلتی تھی نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو چاہیں
اُٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سونلا گئے تھے چاند سے منہ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

چہروں پہ جوانانِ علیؑ رو کے تھے ڈھالیں
لو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی پھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں
دھوپ اُن پہ جنہیں سائے میں سیدانیاں پالیں
اللہ ری تب و تاب بیابان بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

مخفی تھے شرر شدّتِ گرما سے حجر میں
چلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نہ بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں
جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتّے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے
ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے

ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے — دھڑکا تھا یہ یُوں اب کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

تھا مہر کی حدت سے یہ حال شہِ ابرار — ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سُرخ تھے رُخسار
تحمید میں جنباں تھے لبِ لعل گہربار — بھر کر نفس سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اِک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملیگا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملیگا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم — منہ سُرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم — فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمہیں بھائی نہ ملیگی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملیگی

یوں اکبرؑ مہرو تھے پسینے میں نہائے — جیسے تپِ محرق میں جواں کو عرق آئے
جب پھُکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے — ربّ دوجہان حشر کی گرمی سے بچائے
گذریگا ہر اک دم تپش دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق میں

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم — محمل میں گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم — برسیگی یوہیں آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہیں ابرِ کرم آپ کرم کیجئے بابا
سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجئے بابا

سنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمہاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

قسمت نے نکالا ہے عجب فصل میں گھر سے تم کیا ابھی واقف ہو صعوبات سفر سے
جو نازوں کی پالی کہ ہو نازک گل تر سے گرمی میں وہ یوں سرد ہوا کیلئے ترسے
مجبور ہیں کچھ بن نہیں آتا ہے سکینہؑ
نیرنگ یہ سب چرخ دکھاتا ہے سکینہؑ

مشکیں لئے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ بھر لاتے تھے پانی پئے فوج شہِ ذیجاہ
جس طرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بسرِ چاہ پانی پہ گری پڑتے تھے یوں شہ کے ہوا خواہ
جنگل میں عطش کا تھا جو صدمہ کہ و مہ پر
چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

بھرتا تھا دم سرد پریشان کوئی ہو کے دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بجھتا تھا کوئی لوں سے ردا چہرے پہ رو کے رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قریب ناقوں کے آکر شہِ ابرار حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی سے گھٹا ٹوپ اڑے جاتے ہیں ہر بار اے بنتِ یداللہ سکینہؑ سے خبردار
رستہ یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے

بچّوں کو چھپائے رہو لوں آج بڑی ہے

محل سے نظر کر کے ید اللہ کی جائی کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی فریاد بہن دھوپ میں سونلا گئے بھائی
کیا بن گئی جنگل میں امامِ دوسرا پر
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِّ خدا پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں جلیئے دن کاٹیے سایہ میں کہیں رات کو چلیئے
منہ دھوئیے دم لیجیئے پوشاک بدلیئے لوں چلتی ہے آفت کی پہاڑوں سے نکلیئے
ناشاد بہن آپکی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں آپہنچی تھیں ہونٹوں پہ نبیؐ زادوں کی جانیں
سونلائے ہوئے دھوپ میں منہ خشک زبانیں اللہ کے جو نور ہوں یوں خاک وہ چھانیں
یاں کونسی ایذا ہے جو درپے نہیں ہوتی
بے خار الم راہ خدا طے نہیں ہوتی

نقشہ میدانِ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوٹ یک بہ یک اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک

شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج گیا دشت دور تک
شورِ دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزوں تھی کثرتِ افواجِ نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغ آب دار
ہر سمت تھی سناں پہ سناں شکل نوکِ خار — ہر صف میں تھی سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار
پیکاں بہم تھے جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے تھے کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے برچھیوں کے صورتِ مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جن کی آب میں ہے تلخیِ اجل — وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

ایضاً

گھوڑوں کی جست و خیز سے اٹھا غبارِ زرد — گردوں ہیں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تودا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد — کوسوں سیاہ تاب تھا سب وادیِ نبرد
پنہاں نظر سے نیرِ گیتی فیروز تھا
سب دھوپ ڈھل چکی تھی نہ شب تھی نہ روز تھا

وہ دھوم طبلِ جنگ کی، وہ بوق کا خروش　　کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے گوش
تھرّائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش　　نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درعہ پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں آئے جیسے گھٹا جھوم جھوم کے

حضرت عباسؑ نہر علقمہ میں

گرمی سے تھی جو غرقِ عرق سر سے تا بپا　　سردی سے اس ترائی کی جان آ گئی ذرا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا　　صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
دِل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہ کی
عباسؑ نامدار نے اک سرد آہ کی

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب　　تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آ جاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب　　کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباسؑ آبرو میں ابھی فرق آئیگا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائیگا

دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند　　دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند　　چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک فام
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح پھر سپاہ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں تھی رود نیل کی فوج لکا دل نہ تھا
پرواہ رہے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی
ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سُوکھی زباں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

شبِ شہادت

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہِ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منہ پر حرم شیر خدا کے
تھا چیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری
غش ہو گئی ننھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری
یا حضرتِ عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھے دوسرے خیمہ میں ادھر سبطِ پیمبرؐ
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ
اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر
شبیر محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار
عباس سے یہ کہتا تھا وہ کل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ اشرار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شبخوں جو ادھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شبِ دو پہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداری شب کا

اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

جنگل کی تاریک رات

روتا ہوا رخصت ہوا شہ سے حُرِ دیندار راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہِ ابرار
وہ دشت پر آشوب کی دعوت وہ شبِ تار پیڑ کہیں بن میں کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

حیران و پریشان تھا وہ سب لشکرِ شاہی اسواروں پہ آفت تھی پیادوں پہ تباہی
ملتی تھی نہ بستی نظر آتا تھا نہ راہی گویا شبِ ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گھڑیاں شہِ ذیجاہ پہ یوں راہ میں گذریں
جس طرح کہ یوسفؑ پہ شبیں چاہ میں گذریں

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے جس طرح کریں سیر شبِ تار میں تارے
ماندے ہوئے رہوار بھی سب اونٹ بھی سارے سادات نے وہ دوپہر آفت میں گذارے
گردش میں کٹی رات ولی ابن ولی کو
مقتل پہ ہوئی صبح حسینؑ ابن علیؑ کو

تلوار کی تعریف

ابر ڈھالوں کا اُٹھا تیغ دو پیکر چمکی — برق چھپتی ہے وہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی — کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اُسی ڈستے دیکھا
منہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہونا ہی دھارا جیسے — گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے — روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہِ نو میں دیکھا

ایضاً

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا — جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گُل سے بو جدا — سینہ سے دم جدا رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے — کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے

واں بھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے سختی بھی کچھ بڑھی تو گوارا کیا اُسے
نہ زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر
مانند برق شعلہ فشانی خدا کی شان پانی میں آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان کس بل وہ اسکا اور روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

منظر صبح

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر لوٹی جاتی تھی مہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

یادِ معبود

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو دلکو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پُرخم گیسو
فاختہ کہتی تھی شمشاد پہ یا ہُو یا ہُو سرو سے آتی تھی قمری کی صدا کوکو کو

وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

مناقب رفقائے امام

آئے سجادۂ طاعت پہ امام دو جہاں — اسطرف طبل بجایاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں — وہ نمازیں کہ جوایماں کی تن پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

محبّت و وفاداری

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ — کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرار تھے سبحان اللہ — زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا
مگر احمد کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

ثابت قدمی

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے — سر کٹے پاؤں مگر راہ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکر شاہی میں رہے — جسطرح تیغ دودم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی انکو

آبرو حضرت باری نے عطا کی ان کو

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز | اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز

سر نگوں سجادوں پہ تھے عرشِ معلّٰی پہ نماز | شیر دل منتخب دہر رشید و ممتاز

چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے

نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلّی ایسے

حضرت امام حسینؑ کا داخلہ میدانِ کربلا میں

جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا | دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا

سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا | خورشید محو حسنِ حسینؑ حسیں ہوا

پایا فروغ نیّرِ دیں کے ظہور سے

جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زہراؑ کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی | غازی جہاں چلے وہ جگہ کہکشاں ہوئی

سب ارض پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی | ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی

خورشید دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے

روشن ہے جس سے عرش وہ درِ نجف ملے

یہ دشت ہولناک کہاں یہ چمن کہاں | جنگل کہاں بتولؑ کے گل پیرہن کہاں

کعبہ کہاں نبیؐ کا یہ دارِ محن کہاں | قبریں کہاں شکستہ دلوں کی وطن کہاں

آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارض پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہی اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب
باغی جو چین دیں تو یہ ہے موسم عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب
آیا گلِ ریاضِ محمدؐ خوشا نصیب

فخر اس زمیں کا جسپہ شہِ انس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے ان گلوں کی ہوا دشت باغ باغ
غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ

خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

جنگل میں بن گیا شجر طور ہر درخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کی رخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
اب اس زمیں پہ سوئیگا مختار تاج و تخت

رفعت کا اسکی فرش سے غل عرش تک گیا
لو آج خاک کا بھی ستارا چمک گیا

کہتی تھی آسمان سے زمیں فلک حشم
کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو کہ ہم
مجھ پر ہیں وہ جو مہرِ نبوّت پہ تھے قدم
ذرے سے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم

اب تو بہ خاکسار بھی کیواں اساس ہے
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے

پھیلی جو نکہت چمن شاہ بحر و بر
صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر

جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر   آیا تری کچھار میں مختارِ خشک و تر
جب تک وہ بحرِ فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم تو لے کہ تری آبرو بڑھے

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امامِ دہر   دریا دلی کا ہو گا تری شور شہر شہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر   سر کو قدم گئے ہوئی دوڑی ہر ایک لہر
آمد سُنی جو سبطِ رسالت مآب کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار   منزل پہ ہم پہنچ گئے احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار   یہ وہ زمیں ہے جس کیلئے دل تھا بیقرار
قربان اس مکان سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

اُترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام   کوچ اب نہ ہو گا حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی مشہدِ امام   اونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا اسکی خاک پر

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ اُمّت کا ناخدا   جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا   دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند بس یاں تو خودبخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیراب یہیں رہینگے عنایت جو رب کی ہو
میں کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہو

یہ سنتے ہی وہاں سے بڑھے آپ چند گام گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفیں ہوا سے اُڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال پھولوں سے کھیلنے لگے زینب کے نونہال
سبزے سے واں کے ابنِ حسنؑ خوش ہوئے کمال کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بیمثال
اے خسروِ زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطرِ عروس کی

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہرو دھویا کسی نے رخ کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرؑ نیکخو
کھینچی اِک آہ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامور خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہِ بحر و بر
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلبیت پر بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے

گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رُکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا زینب جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا جا کر قریب محمل زینب یہ دی صدا

حاضر ہے جاں نثار امام غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سُن کے دخترِ خاتونِ روزگار اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل ہیں نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار

مختار کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر کن آفتوں میں پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایّام یہ سفر دن بھر چلے ہیں دھوپ میں جاگے ہیں رات بھر

گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہِ جبل میں پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمیں لایا ہے آسماں اب دیکھئے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جاں یا رب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں

دشمن بہت ہیں بادشہِ خوشخصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

یہ سُن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں فرّاش آ کے جلد مصفّا کریں زمیں
حاضر ہوں آب پاش محل دیر کا نہیں یاں ہوگا خیمۂ حرم بادشاہِ دیں

جلد ان کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے

بولے زُہیر قین کہ حاضر ہیں سب غلام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروف اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اِک طرف امام
رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

حُسینی سپاہ میں جنگ کی تیاری

یہ حال تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابنِ شاہ نجف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر اِک رشک ماہ کو
جوش آگیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
بیچین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اِک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے

بولا یہ کوئی غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اڑائینگے عمرو شمر شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھرینگے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
منہ سُرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصّے سے رہگیا کوئی ہونٹونکو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نام وَر
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے نیچے کئے وہ غیرتِ قمر
یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
سر کے نہ پھر وغا سے جو بڑھ کے قدم گڑے
جاکر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
تیر اسطرف سے آتے ہیں اب کسلیئے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
مولا غلام سے نہیں رُکتے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

کسکو ہٹائے کسکو سنبھالے یہ جاں نثار — مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجئے اب اذن کارزار — ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سواران شام کی
اکبرؑ کی بات مانتے ہیں نے غلام کی

زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھئے حضور — مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رخ پر جلال شیرِ خدا کا ہے سب ظہور — پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

جب روکتا ہوں میں انہیں آئے آسماں سر پر — کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر — ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچّوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

فوج شام میں جنگ کی تیاری

چلوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ — منہ ترکشوں نے کھول دئیے صورتِ نہنگ
خنجر رکھے کمر میں دودھارے چھپا کے سنگ — برچھی ہلا کے فوج نے جولاں کئے سرنگ

سرہنگ شام گرز گراں تولنے لگے
بڑھ بڑھ کے بیرقوں کو عدو کھولنے لگے

کالے علم نشان سیہ کاریِ سپاہ
گویا زمیں کے سینے سے اُٹھتا ہے دودِ آہ
تھا نالۂ نفیر کہ بیکس کو دو پناہ
شہنا کی یہ صدا تھی کہ سیّد ہے بے گناہ
سُن کر دہل کا شور کلیجے دہلتے تھے
تھرا کے جھانجھ بھی کفِ افسوس ملتے تھے

فرزندانِ حضرت مسلم

اسیری

بچوّں کو لڑکپن میں اسیری نے کیا پیر
سر چھاتیوں پر جھک گئے حالت ہوئی تغیر
تھی تن کو نہ پھروں حرکت صورت تصویر
یہ بڑھ گئیں زلفیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
رونق بھی خزاں لے گئی ہستی کے چمن کی
مسطر سی نمایاں تھیں رگیں صاف بدن کی

ہم چشمیِ نرگس سے جن آنکھوں کو رہا ننگ
جو مردم بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
رخساروں کا اُن نازوں کے پالوں کا تھا یہ ڈھنگ
جس طرح عرق کھینچے ہوئے پھول کا ہو رنگ
جو گورے گلے مثل قمر نور فشاں تھے
وہ تار سے حلقوں میں گریباں کے عیاں تھے

ناخن تھے یہ نو سے جو بالائے انامل		سو قید میں بڑھ بڑھ کے ہوئے وہ مہِ کامل
اعضا میں عوضِ خون کے حرارت ہوئی شامل		تھے ضعف کی تصویر وہ دکھ درد کے حامل
بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا انکو
اُٹھنے کے تصور میں غش آجاتا تھا انکو

کاہیدہ تھے مثل تن مدقوق تن زار		ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہ گرانبار
رکتا تھا جو دم زیست سے دق تھی وہ گرفتار		معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں بیمار
باقی تھا فقط تارِ نفس سینے کے اندر
اک بال ہو جس طرح سے آئینے کے اندر

تقلیل غذا۔ قید کا دُکھ۔ باپ کا ماتم		گھل گھل کے برس دن میں عجب ہو گیا عالم
چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم		فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
افسوس یونہی عمر چلی جاتی ہے بھائی
نے قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی

رہائی

جب مسلمِ بے کس کے پسر قید سے چھوٹے		آوارہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
دکھ سہ کے عزادار پسر قید سے چھوٹے		پردیس میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشاں تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گرد یتیمی سے اَٹے تھے

وہ شہر پر آشوب وہ غربت وہ شبِ تار		ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار

ہاں جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار دل انکے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تن زار
پیچھے کبھی ہٹتے تھے کبھی بڑھتے تھے دونوں
ڈر ڈر کے کبھی نادعلی پڑھتے تھے دونوں

پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی اب تو ہمیں نیند آتی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
کتنا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے سہمے ہوئے مڑمڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

لب پر نفس سرد بھرے آنکھوں میں آنسو غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گلرو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آکے جفا جو
چل سکتے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں
گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دونوں

نماز

حاضر در امام پہ وہ خاصگانِ رب ایک ایک جن میں فخر عجم زینت عرب

غربت زدہ وہ گرسنہ مظلوم و تشنہ لب
سُن کر سحر کا شور اُٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جائے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک
سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
اکبرؑ نے دی اذاں جو بہ آواز دردناک
آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقب شاہِ کربلا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جُدا جُدا
جیسا امام ایسے ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوشخصال
جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکل دال
خم ہو گئے سجود میں گہ صورتِ ہلال
پیشانیوں سے صاف عیاں نور ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے رُخوں پہ نور
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشم حور
دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور
کمریں کسے جدال پہ راحت دلوں سے دُور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

یاں تھیں صفیں نماز جماعت کی اور ادھر — باندھی تھی فوج کیں نے صف آرائی پر کمر
شکلِ ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر — نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائینگے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائینگے

ایضاً

ناگاہ بیاضِ سحر غم نظر آئی — مہتاب چلا رات بہت کم نظر آئی
صبحِ شب عاشور محرم نظر آئی — انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
جھوکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا
مرغانِ چمن کرنے لگے ذکر خدا کا

وہ نور کا تڑکا وہ دم صبح کی سردی — جنگل میں گلوں کی کہیں سرخی کہیں زردی
بھولی ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی — تکبیریں تھیں یاں بجتی تھی واں صبح کی وردی
سامان تھا واں قتل امام دوجہاں کا
یاں شور تھا گلدستۂ زہرا میں اذاں کا

استادہ ہوئے بہر نماز سحری شاہ — صف باندھ لی سب نے عقب سیدِ ذیجاہ
حقا کہ عجب اختر تاباں تھے عجب ماہ — ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ

مقبول تھی وہ بڑھ کے دوگانہ جو دعا کی
خالق نے انہیں دولتِ کونین عطا کی

حضرت علی اکبرؑ

پہنچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں — کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہُوا یقیں — غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسیں
تصویر سر سے تا بالقدم مصطفےٰ کی ہے
اِس حُسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے

ہے جلوہ جبینِ مبیں چاند سے دوچند — گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے سپند — پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبۂ بلند
قربان چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلّہ چڑھا ہُوا ہے کیانی کمان پر

ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآب کے — کتنا ہے حُسن خود کہ نثار اِس شباب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکے سحاب کے — رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
دونوں سے نور ہیں مہ و خورشید ماند ہیں
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

روشن ہے دشت گردن نازک کے نور سے — فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمع طور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے — شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل گلابے مثال ہے
تکمہ سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

ایضاً

کیا وصف جناب علیؑ اکبر کروں تحریر — حسنِ نبیؐ خلقِ حسنؑ غربتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا توسن اور صاحب توقیر — تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولِؐ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی
دنیا میں کوئی آج نہیں ثانیِ اکبرؑ — یوسف کی زبان پر ہے ثنا خوانیِ اکبرؑ
یہ ماہِ دوہفتہ ہے کہ پیشانیِ اکبرؑ — خورشید ہے یا چہرۂ نورانیِ اکبرؑ
یہ جلوہ گری مہر کے پرتو میں نہیں ہے
ابرو میں جو خم ہے وہ مہِ نو میں نہیں ہے
جو رخ میں صباحت وہ کہاں نورِ سحر میں — چشمِ اسد اللہ کا سب رعب نظر میں
تابندہ زرہ حضرتِ داؤدؑ کی بر میں — کاندھے پہ سپر لب پہ رجز تیغ کمر میں

شوکتِ اسد اللہ کی تصویر نبیؐ کی
داؤد کی آواز تھی تقریر نبیؐ کی

بھیگی ہیں مسیں سبزہ خط بھی ہے نمودار گویا کہ خضر آبِ بقا کے ہیں طلب گار
وہ فصلِ شباب اور وہ رنگِ گلِ رخسار دنداں وہ سب الماس سے وہ لعلِ گہربار
واں جوڑے ہوئے ہاتھ فصاحت بھی کھڑی ہے
تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے

تلوار کی روانی

یاں گوشۂ عزلت خمِ شمشیر نے چھوڑا واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ندی ادھر اک خون کی ابلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پریوش اُسے کہنا معشوق بنی سُرخ لباس اُس نے جو پہنا
اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھے کہ پہنے تھی دُلھن پھولونکا گہنا
سیبِ چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبّیر سے دُولھا کی بغل میں

سر ٹپکے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہنچے قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اسکی بُری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھُری تھی

تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
تھا نہر تلک موجزن اِک خون کا دریا بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رُکی ہے

اللہ ری ہلچل کہ جُدا ہو گئے یک بار گردن سے تو سر جسم سے دم ہاتھ سے تلوار
نیزے سے انی برچھی سے پھل تیر سے سوفار ہاتھوں سے کمانیں تو کمانوں سے کماندار
سینے کی نہ دل کو نہ خبر دل کی جگر کو

تلوار تلے چھوڑ گیا باپ پسر کو

دم بھر کہیں شمشیر سر انداز نہ ٹھہری — بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھہری
روکا کئے وہ تفرقہ پرواز نہ ٹھہری — بے صید کئے صورتِ شہباز نہ ٹھہری
جب ہاتھ اٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اُسکا
پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُسکا

چم خم سے ہلال فلک نیلوفری تھی — مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی — تھی تیغ کہ قبضہ میں سلیماں کے پری تھی
تھا صورتِ آئینہ تمام اُسکا بدن صاف
خُوں پیتی تھی پر دیکھو تو منہ صاف دہن صاف

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق — وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جریاں، برتو واں برق — منہ زہر برش قہر بدن آگ زباں برق
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدادگروں کی
تھی مینہ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

گھوڑے کی تعریف

آمد فرس کی تھی دُلھن آتی ہے جس طرح — تھم تھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح

تصویرِ آہوئے ختن آتی ہے جس طرح　　یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبک دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیشک پری ہے یہ

آیا عجب شکوہ سے اسپ قمر رکاب　　تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب　　حلقہ تھا مہر نور کا یا جلوہ گر رکاب
فتراک تھی کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر
تھی زین پر وہ گرد کہ ابر آفتاب پر

اختر خجل ہیں زینِ جواہر نگار سے　　ذرّوں نے چن لیے تھے ستارے غبار سے
تھمتا تھا کب سوار فراست شعار سے　　گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پائے کو دیکھکر
بل کر رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھکر

سینہ کشادہ تنگ کمر چُست جوڑ بند　　گردن میں خم ہلال کا اور اُس پہ سر بلند
جاندار بردبار عدو کش ظفر پسند　　بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پرند
سُرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہے

چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا تھما اُڑا　　صورت بنائی جست کی سمٹا جما اُڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اُڑا　　مثلِ سمند بادشہِ اِنّما اُڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

چیتے کی جست شیر کی چتون ہرن کی آنکھ
شرمائے جس سے آہوئے چین و ختن کی آنکھ
پڑتی تھی یوں حریف پہ اس صف شکن کی آنکھ
لڑتی ہے جیسے جنگ میں شمشیر زن کی آنکھ

راکب شجاع تھا تو فرس بھی دلیر تھا
گھوڑا پروں میں تھا کہ غزالوں میں شیر تھا

بجلی صفوں میں کوندرہی تھی دم جدل
ہلچل میں ہر پرے پہ پڑا تھا تو دل پہ دل
وہ تھوتھنی وہ آنکھ وہ سم وہ کمر کفل
دیکھا نہ آج تک کہ مڑے اس طرح سے کل

عالم تھا تن کی بو میں گلوں کی شمیم کا
موڑا جدھر نکل گیا جھونکا نسیم کا

وہ تیغ کی تڑپ وہ تگ و دو سمند کی
وحشت ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
ترکیب کچھ جدا تھی ہر اک جوڑ بند کی
پنہاں ہوا سوار جو گردن بلند کی

رخش ایسا روم و رے میں ہے نہ شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردشِ ایام میں نہیں



مشکیزہ علمدار

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سر کانے لگی نہر

دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ اُبھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقیِ کوثر کے لپر کے

ہر موج زیارت کیلئے ہو گئی بیتاب
میں پہلے بھروں گرد یہ تھی خواہش گرداب

تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب
آتا ہے اِدھر بحرِ شرف کا دُرِ نایاب

آمد جو سُنی تھی خلف شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے نذر ہتھیلی پہ صدف کی

جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
لہرانے سے موجوں کے ہُوا دِل تہ و بالا

یاد آ گئی لبِ تشنگیِ سیّد والا
رقّت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا

صدمے سے بھر آیا دِلِ سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر
سب آب نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر

انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر
شبّیرؑ تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر

اس پیاس کا جب ذکر پیمبرؐ سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیِ کوثر سے کریں گے

اے آب محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہے
اے آب شہِ جن و بشر تشنہ دہن ہے

گلزارِ نبیؐ کا گلِ تر تشنہ دہن ہے
دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہے

گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے
بیّن ہے کہ بچے وہ پیاسے نہ جئیں گے

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک
بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک

تسمے سے دہن باندھ کے ہر نے پہ دھری مشک غل پڑ گیا دیکھو لئے جاتا ہے جری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو
گرداب سے اِک حلقۂ ماتم تھا نمودار پانی کے لئے لہر ہر اک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں اُبھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار لو ڈوبتا ہے خوں میں علیؑ کا درِ شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جو سے
پھر تیروں کا مینہ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

صُبح عاشورہ

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب پایا سحر نے دخل گیا انتظامِ شب
فرش سفید بچھ گیا اُکھڑے خیامِ شب آغازِ روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب
رونق نشانِ صبح نے دِکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواریٔ سلطانِ شرق کی

رخصت شب

چھپنے لگا جو عابدِ شب زندہ دار ماہ اختر چلے لپیٹ کے سجادۂ سیاہ
غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ تھا شور دور دورِ شہنشاہِ کجکلاہ

ہر سو نشانِ آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا

ذوقِ عبادت

لیکن عجب وہ دن تھا غضب کا عجب سحر بیٹھے ہوئے تھے رات کے جاگے جھکائے سر
حضرت نے اُٹھ کے جانبِ گردوں جو کی نظر مڑ کر صدا یہ دی رفقا کو بچشمِ تر
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جسکی شام یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام لکھے خدا نماز گذاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحید عصر یہ غل چار سو اُٹھے
دنیا سے جو شہید اُٹھے سُرخرو اُٹھے

مناقب رفقائے حسینی

سُوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رُخوں پہ نور خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیّاض و حق شناس و اولوالعزم و ذی شعور خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسنِ صوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب تھے ایسے خاکسار غلامِ ابو تُراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی

ہٹی سے آنسوؤں میں جبلا اور ہو گئی

صبحِ صحرا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوی اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریٔ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربان صنعتِ قلمِ آفرید گار
تھی ہر ورق سے صنعتِ ترصیع آشکار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار
عالم تھا محو قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیٔ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا، وہ فضا
دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار

اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بُلبل تو گُل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کُو کُو کا شور نالۂ حق سرہ کی دُھوم
سُبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جو ان کے عبادت کے تھی رُسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربّ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

حمدِ معبود

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پُکار تہلیل تھی کہیں کہیں تسبیح کردگار
طائر ہوا میں محو ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھی ریاضِ نبیؐ کے پھول خوشبو سے جنکے خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب و زینت کاشانۂ بتولؑ وہ باغ جو لگا گئے تھے حضرتِ رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں کٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں چھٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے یادگار

دولہا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں مکس گئیں

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہُوا عیاں تشریف جا نماز پہ لائے شہِ زماں
سجّادے بچھ گئے عقب شاہ انس و جاں صوتِ حسن سے اکبرؑ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی
ناموس شاہ خیمہ میں روتے تھے زار زار چپکی کھڑی تھیں صحن میں بانوئے نامدار
زینبؑ بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا وصفت ذوالجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ قائم ہوئی نماز اُٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مُصلّی ملک صفات سردار کے قدم کے تلے تھی رہِ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرش معلّیٰ حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مُصلّا حسین کا

باہم ملکوں کی صدائیں وہ دلپسند کرّوبیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند

ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند
خوفِ خدا سے کانپتے تھے ان کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خشوع و خضوع میں
سجدوں میں چاند تھے تو مہِ نو رکوع میں

دنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
ان کے لئے تھی بندگیٔ واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت ذرا نہ باقی رہی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
آئے مصافحہ کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام
آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے بہ احترام
کیا دن ہے کیا سپاہ سعید و رشید ہے
باہم معانقے ہیں کہ مرنے کی عید ہے

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہِ فلک سریر
ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکرِ شریر
عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیر بے نظیر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

گرمیٔ صحرائے کربلا

لو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اِس دُھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

ساغر لئے حضرت کے قریں آتا تھا کوئی
پانی ہمیں منگوا دو یہ چلّاتا تھا کوئی
سوکھے ہوئے لب شاہ کو دکھلاتا تھا کوئی
ہم پیاسے ہیں یہ کہہ کے لپٹ جاتا تھا کوئی
پانی تو نہ تھا اشک بہا دیتے تھے حضرت
شرما کے سرِ پاک جھکا لیتے تھے حضرت

لشکرِ غنیم میں جنگ کی تیاری

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
روشن چراغِ مہر سے بزمِ جہاں ہوئی
اعدا میں فکرِ قتلِ امامِ زماں ہوئی
نیزے سنبھالے تیغ و تبر باندھنے لگے
آلِ نبیؐ کے خوں پہ کمر باندھنے لگے

رکھا کسی نے خود کو سر پر بعزمِ جنگ
خنجر سجا کمر میں کسی نے چڑھا کے سنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ
بولا زہِ کماں میں کوئی جوڑ کر خدنگ
چٹکی سے میرے تیر یہ جس دم روانہ ہو
پیشانیٔ حسینؑ الٰہی نشانہ ہو

نیزہ ہلا کے کوئی یہ کرتا تھا گفتگو
اس پر علم کروں گا سرِ شاہِ نیک خو
کہتا تھا تیغ تول کے یوں کوئی کینہ جو
ہے آب اِسکی اور شہِ لب تشنہ کا گلو
چُن چُن کے آج آلِ پیمبرؐ کو ماریے
برچھی سے لاکھ میں علیؑ اکبر کو ماریے

گرزِ گراں لیئے کوئی کرتا تھا یہ سخن
ہے اس کی ضرب اور سرِ نوبادۂ حسنؑ
تھا اِس طرح کمند لیئے کوئی لاف زن
باندھوں گا اِس سے گردنِ عباسؑ صف شکن
ہرگز نہ دوں گا مہلتِ جنگ اس دلیر کو
جیتا پکڑ کے لاؤں گا شیروں کے شیر کو

دستانوں کو پہن کے یہ کہتا تھا کوئی بات
بھرتے ہیں خونِ آلِ محمدؐ میں آج ہات
اور سج کے چار آئینہ کوئی زبوں صفات
کہتا تھا جب لڑیں گے شہنشاہِ کائنات
مجروح ہوں گے پہلے ہی وہ میرے وار سے
اُس پر نہ خط پڑے گا کبھی ذوالفقار سے

چمکا کے اسپ کو کوئی کرتا تھا یہ کلام
سنتا ہوں ہے قلیل بہت لشکرِ امام
کیوں اِس قدر ہیں خوف زدہ ساکنانِ شام
واللہ راہواروں کی جس وقت لیں لگام
اکدم میں جا پڑیں گے یہ بجلی سے کوند کر

پیاسوں کو مار ڈالیں گے ٹاپوں سے روند کر

کہتا تھا کوئی اُس سے کہ اپنی زباں کو بند | اللہ کو غرور کی باتیں نہیں پسند
مقدور پر بھی عجز ہی کرتے ہیں ہوشمند | لرزاں ہے مارے خوف کے اپنا تو بند بند
جنگ اس سے ہے جو سبطِ رسالتؐ پناہ ہے
سیّد ہے ابنِ فاطمہؑ ہے بے گناہ ہے

کچھ مرضیٔ خدا میں نہیں جائے دم زدن | نانا ہو جس امام کا محبوبؐ ذوالمنن
افسوس ہے کہاں وہ کہاں کربلا کا بن | خاصانِ حق ہی سہتے ہیں رنج و غم و محن
شاید خدا کو بیکسی اس کی پسند ہے
کھانے کا ذکر کیا ہے کہ پانی بھی بند ہے

— ❊ —

گرمی کا سماں

وہ لوں وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب | کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب | خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آبِ رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور | جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر | خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں

پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتا تھا دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافور صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں



حضرت مونس

مونس

طلوعِ سحر

پھولا جب آسماں پہ گلِ آفتابِ صبح　　نکلا حجابِ شب سے رخِ لاجوابِ صبح
دفتر کشائے صبح نے کھولی کتابِ صبح　　ہونے لگا سپہر بریں پر حسابِ صبح
گردوں پہ حاملانِ سحر کا ظہور تھا
عالم تمام مطلعِ خورشید نور تھا

غنچے کھلے نسیمِ ریاضِ جناں چلی　　باغِ جہاں میں صرصرِ عنبر فشاں چلی
گلشن سے مارے شرم کے بادِ خزاں چلی　　ہنس کر کہا بہار نے کیوں اب کہاں چلی
سیرِ چمن تو کر کہ یہ دَور اَور دُور ہے
غنچے کھلے ہیں رنگِ گلستان اب اَور ہے

شبنم تھی یوں گلوں پہ دُر افشاں دمِ سحر　　جس طرح چاندنی میں لٹائے کوئی گہر
بادِ صبا کا ناز سے چلنا اِدھر اُدھر　　نغمے وہ بُلبلوں کے وہ پھولے پھلے شجر
بلبل کا اِس بہار سے دِل باغ باغ تھا
ارضِ علا کا عرشِ بریں پر دماغ تھا

ٹھنڈی ہوا وہ دشت کی وہ صبح کا ظہور　　تھے محوِ یادِ حق میں درختوں پہ سب طیور
پھیلا جو آفتابِ فلک کا جہاں میں نور　　گل ہو گیا نسیمِ سحر سے چراغِ طور
ظلمت کا عکس پردۂ شب میں نہاں ہوا

مشرق سے چرخ پر خطِ ابیض عیاں ہُوا

منظرِ صبح

جب بجھ گیا فلک پہ کنول ماہتاب کا
پہنا لباس لیلیٰ شب نے حجاب کا
اُلٹا عروسِ صبح نے گوشہ نقاب کا
تارے چھپے ظہور ہوا آفتاب کا
غافل جو خواب میں تھے وہ ہشیار ہو گئے
طالع ہر ایک چشم کے بیدار ہو گئے

انجم کی انجمن سے قمر کو ملا فراغ
پھولی شفق خزاں ہوا لیلیٰ شب کا باغ
چلنے لگی نسیم سحر گل ہوئے چراغ
روشن رہا مگر دلِ خیر النسا کا داغ
غُل تھا اذاں کا مرغِ خوش الحاں چہکتے تھے
شبنم کے اشک دامنِ گُل پر ٹپکتے تھے

خنکی وہ صبح کی وہ ترائی وہ سبزہ زار
وہ جھومنا ہوا سے درختوں کا بار بار
جنگل کے وہ گلوں کی مہک اور وہ بہار
آوازِ بلبلوں کی وہ دلچسپ و خوشگوار
گرمی میں لطفِ سردیِ موجِ نسیم تھا
ہر شخص محوِ قدرتِ ربِّ کریم تھا

تڑکا وہ نور کا وہ بہارِ رخِ شفق
وہ نور وہ فضا وہ بیابانِ لق و دق
ذرّوں سے زر فشاں تھا جو سب خاک کا ورق
گردوں پہ ہو گیا تھا رخِ ماہتاب فق
رفعت دکھا رہی تھی زمیں اپنی شان کی
گویا اتار لی تھی قبا آسمان کی

پرتوفگن جو نہر میں تھا روئے آفتاب روشن چراغ دیدۂ ماہی تھے زیرآب
شرمارہا تھا برق کو موجوں کا پیچ و تاب تھا سرخ پوش عکسِ شفق سے ہراک حباب
دریائے حُسن نہر میں تھا اک مِلا ہُوا
پانی پہ تھا گلاب کا تختہ کِھلا ہُوا

طلوعِ سحر

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی گلدستۂ اسلام پہ بُلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہُوا گم فلک نیلوفری سے
پھُولا گلِ خورشید نسیمِ سحری سے
گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا مرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
انجم کا وہ چھُپنا کبھی اور گاہ چمکنا وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
اس دشت میں روتی تھی جو شبنم شہِ دیںؑ پر
تھا موتیوں کا فرش زمرّد کی زمیں پر

ایضاً

جب آسماں پہ مہر کا زرّیں نشاں کھُلا پھُولی شفق درِ چمن آسماں کھُلا
جھونکے چلے نسیم کے بابِ جناں کھُلا فوجِ حسینؑ میں علمِ زرفشاں کھُلا
صف بستہ تھے حسینؑ کے پیارے زمین پر

ذرّے تھے آسماں پہ ستارے زمین پر

آمد وہ آفتاب کی اور وہ سحر کا نور
کافور ہو گیا تھا فلک پر قمر کا نور
بالا تھا نخل طور سے ہر اک شجر کا نور
پھیلا تھا چاندنی کی طرح دشت و در کا نور

غنچوں کے منہ جو صبح سے شبنم نے دھوئے تھے
گویا گلوں نے عطر میں چہرے ڈبوئے تھے

بُستانِ کربلا کی وہ بُو باس وہ بہار
مرغانِ خوشنوا کا چہکنا وہ بار بار
کُوکُو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
نالے وہ بلبلوں کے وہ سبزہ وہ لالہ زار

کرتے تھے وجد کبک دری کوہسار میں
بن میں غزال محو تھے ضیغم کچھار میں

وہ نہر علقمہ کی صفائی وہ آب و تاب
آب بقا کو جسکی لطافت سے تھا حجاب
رشکِ ستارۂ سحری تھا ہر اک حباب
ظاہر تھی مثلِ آئینہ جو شے تھی زیرِ آب

ہر موج کی چمک پہ مقامِ درود تھا
موتی کا حسن پشتِ صدف سے نمود تھا

وہ نورِ صبح اور وہ گلدستۂ علیؑ
جنگل بنا بہشتِ بریں جب ہوا چلی
اِک اِک خدا پرست دلاور سخی ولی
تھی جن کی پیاس سے گلِ زہراؑ کو بیکلی

لب تشنہ باغِ دہر سے جانے کو آتے تھے
وہ پھول کربلا کے بسانے کو آتے تھے

دل کی طرح تھے قلب میں اس فوج کے حسینؑ
چاروں طرف تھا جلوۂ خورشید مشرقین
تھے پہلوؤں میں قاسمؑ و اکبرؑ بزیب و زین
ان کے اُدھر تھے دخترِ زہراؑ کے نورِ عین

تھا حاملِ علم بھی دعا پر تلا ہُوا
چہرہ تھا سُرخ سبز پھریرا کھلا ہُوا

جُھک جُھک کے دیکھتا تھا جوانوں کو چرخِ پیر
اِک آفتاب تھا تو بہتّر مہِ مُنیر

کہتی تھی ناز سے وہ زمینِ فلک سریر
تیری بساط میں کوئی ان کا بھی ہے نظیر

اِن اختروں کے فیض سے میں چاند ہو گئی
تیری ستارہ دار قبا ماند ہو گئی

شبِ کربلا

ناگاہ سیاہی سرِ میداں نظر آئی
خورشید چھپا شامِ غریباں نظر آئی

تاثیرِ غمِ سرورِ ذی شاں نظر آئی
شبنم سے شبِ تار بھی گریاں نظر آئی

گھیرا تھا جو ظلمت نے مہِ برجِ کرم کو
پوشاک سیہ چرخ سے اُتری تھی حرم کو

پہنچے جو کمر تک شبِ دیجور کے گیسو
اور سو گئے فتنہ کی طرح سب وہ سیہ رو

اُٹھنے لگے بس واں سے خیامِ شہِ خوشخو
مقتل کی تمنا میں چلے سیّدِ حق جو

رونے کی صدا ہر دلِ رنجور سے آئی
شبیرؑ کے لینے کو اجل دور سے آئی

پُر ہول وہ صحرا وہ بیاباں کی سیاہی — ہر شے تھی سیہ ماہ سے تا مسکنِ ماہی
دیتی تھی وہ شب غربتِ سرور پہ گواہی — ظلمت میں نظر بھی اگر آئی تو تباہی
حلقے میں لئے تھے رفقا سبطِ نبیؐ کو
صورت نہ کسی کی نظر آتی تھی کسی کو

حضرت تو سکندر تھے وہ شب تھی شبِ ظلمات — خالِ رخِ زنگی کو بھی اُس شب تھے کیا مات
ایسی کسی دشمن کو دکھائے نہ خدا رات — صدمے پہ جو صدمے تھے تو آفات پہ آفات
زہراؑ کا قمر دشت کی ظلمت میں گھرا تھا
بے نور تھے تارے بھی یہ اندھیر بپا تھا

جنگل سے جو آتی تھیں صدائیں وہ ڈرانی — شیروں کے بھی دل خوف سے ہو جاتے تھے پانی
تھے غولِ بیابانِ بلا دشمنِ جانی — شعلوں کی لپک تھی کہ جہنم کی نشانی
آندھی میں اذاں دینے کی ہر سمت صدا تھی
اُٹھ جاتے تھے اونٹوں کے قدم بھی یہ ہوا تھی

ایضاً

سنسان دشت اور وہ سیاہی کہ الحذر — جنگل وہ سائیں سائیں صدائیں وہ پُر خطر
وہ ہولناک شب کہ ڈرے دیکھ کر بشر — اور انجمِ فلک پہ اداسی وہ سر بسر
ہے بندوبست یہ سپہِ نابکار میں
گھاٹوں پہ چوکیاں ہیں تو پہرے کچھار میں

انگلی سے دیکھتا ہے کوئی تیغِ کیں کی دھار — برچھی کے پھل کو کر رہا ہے کوئی آبدار

کوئی تبر کو سنگ چٹاتا ہے بار بار
ناوک فگن بھی کرتے ہیں چلوں کو استوار
ہوگا نہ ایسا اب فقرِ انداز دہر میں
نیزا اپنے شمر نے بھی بجھائے ہیں زہر میں

واں تھا یہ بندوبست بہ حکمِ امیرِ شام
یاں محوِ ذکرِ حق تھے شہنشاہِ خاص و عام
جتنا تھا دشت ظلم و ستم ہو کا تھا مقام
سیارہ ہائے چرخ بھی ماتم میں تھے تمام
تھی ماتمی عبا فلکِ نیل فام کی
اور شکل غم سے زرد تھی ماہِ تمام کی



فرزندانِ حضرتِ مسلم رضؓ

قید سے جب پسرِ مسلم رضؓ بے پر چھوٹے
بے کس و بے وطن و عاجز و مضطر چھوٹے
بعد اک سال کے وہ دونوں برادر چھوٹے
چھوٹے سے سن میں بڑے رنج اُٹھا کر چھوٹے
دوڑتے تھے کبھی گھبرا کے کبھی گرتے تھے
شبِ تاریک میں دو چاند پڑے پھرتے تھے

راہ چلنے سے جو واقف نہ تھی وہ رشکِ قمر
جاتے تھے روتے ہوئے گاہ اِدھر گاہ اُدھر
نہ کوئی دوست نہ ہمدرد نہ کوئی رہبر
چوکیداروں کی صدا سُن کے لرزتے تھے جگر

دِل اُلجھتے تھے بدن بید سے تھراتے تھے
رنگ مہتاب سے چہروں کے اُڑے جاتے تھے

کبھی دوڑے کبھی ٹھیرے کبھی آہستہ چلے
خوف یہ تھا کہ کہیں دشمنِ دیں دیکھ نہ لے
بولتا کوئی تو چھپتے تھے وہ نازوں کے پلے
زیرِ دیوار کبھی گاہ درختوں کے تلے
پتے جھونکوں سے ہوا کے جو کھڑکنے لگتے
ننھے سے سینوں میں دل انکے دھڑکنے لگتے

اپنے گھر سے جو کبھی دن کو نہ نکلے باہر
رات کو عالمِ غربت میں بھلا جائیں کدھر
خوف ایک ایک قدم چھوٹے سے سن جان کا ڈر
ملک دشمن کا نہ ماں سر پہ نہ عمو نہ پدر
قید سے چھٹ کے بھی راحت کی نہ صورت دیکھی
شہر سے نکلے تو جنگل کی مصیبت دیکھی

وہ شبِ تار وہ صحرا کی ڈرانی آواز
طائرِ روح کرے دیکھ کے جس کو پرواز
کبھی دیکھا نہ تھا دنیا کا نشیب اور فراز
ہر قدم ٹھوکریں کھاتے تھے وہ پروردۂ ناز
اشک رخساروں پہ آنکھوں سے ڈھلے جاتے تھے
دونوں روتے ہوئے کانٹوں پہ چلے جاتے تھے

سفر کی تیاری

فرزند پیمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے گُل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گلُرو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش عمامے سروں پر ہیں عبائیں لبِ دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرورؐ کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

عباس کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ اب آنکھوں سے چھپ جائیگی تصویر ید اللہ
کہتے ہیں گلے مِل کے یہ قاسم کی ہوا خواہ واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلق حسنیؑ کون کرے گا

رخصت کے لئے لوگ چلے آتے ہیں باہم ہر قلبِ حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

ہے جب سے کھلا حالِ سفر بند ہے بازار یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاندار

خاک اُڑتی ہے ویرانیِ یثرب کے ہیں آثار
ہر کوچے میں ہے شور کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینہ سے شہنشاہ ہمارا

تدبیرِ سفر میں ہیں اُدھر سبطِ پیمبرؑ
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنہیں لے جانا ہے وہ پلٹے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
چلاتے ہیں دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لئے فراش کھڑے ہیں

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہیں زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہیں زینبؑ

گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر آہ
ان چھوٹے سے بچوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں کبھی آگاہ
ان کو نہ لیجائیں سفر میں شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ وہاں نہیں ملتا
کوسوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصغرؑ کا چلا آتا ہے رونا ۔ آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا ۔ لکھا تھا اِسی سن میں مسافر انہیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلیگی
یہ پھول سے کمہلائینگے ماں ہاتھ ملیگی

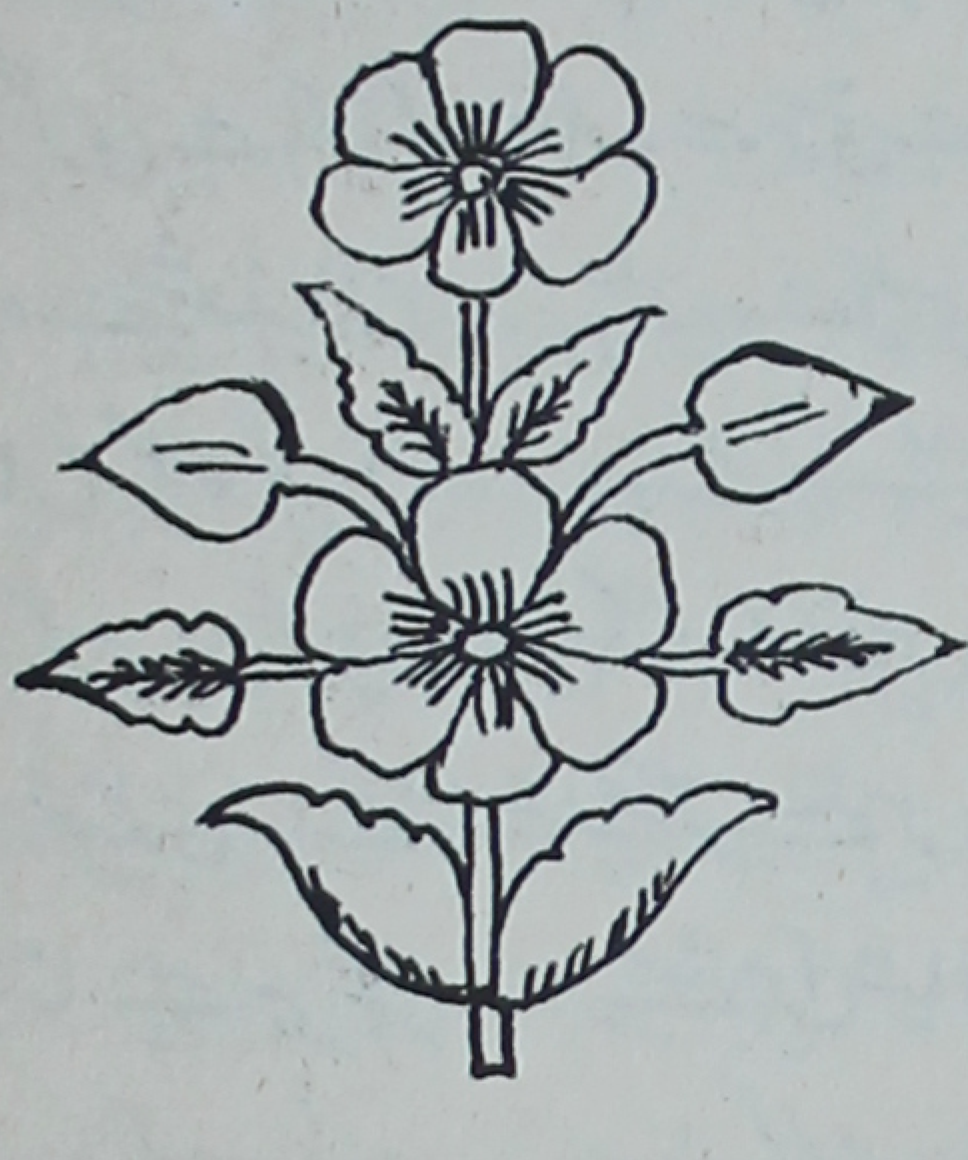
گرمی کے موسم میں سفر

وہ دھوپ ہے کہ جس میں ہرن ہوتے ہیں سیاہ ۔ تپتی ہے یہ زمین کہ اللہ کی پناہ
کھیتوں میں خاک اُڑتی ہے اور خشک ہوگیا ۔ بے سایہ ایسی دھوپ میں ہے فاطمہؑ کا ماہ
صحرائے پُر خطر ہے نہ دریا نہ بستی ہے
گرمی ہے یا کہ آگ فلک سے برستی ہے
ہر کوہ مثلِ برق جہندہ ہے شعلہ زن ۔ چلتی ہے ایسی لُو کہ پھُکے جاتے ہیں بدن
مرجھا گیا ہے دھوپ میں زہراؑ کا گلبدن ۔ سوکھے ہوئے ہیں لب صفتِ برگِ یاسمن
گرمی میں کوئی جا نہیں سکتا وہ رستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچّے ترستے ہیں
مثلِ چنار دھوپ سے جلتا ہے ہر شجر ۔ بیٹھے ہیں آشیانوں میں طائر کشادہ پر
ہر اک جری ہے چہرے پہ روکے ہوئے سپر ۔ سونلا گئے ہیں فاطمہؑ زہرا کے سب ثمر

جاتے ہیں غازی گھوڑوں کی باگیں لئے ہوئے
عبّاسؑ سر پہ شاہ کے سایہ کئے ہوئے

گرمی کی فصل اور مہینوں کا وہ سفر بچوّں کا ساتھ رنج وطن دھوپ کا ضرر
ڈر قتل کا کہیں کہیں لٹنے کا ہے خطر شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے سحر
اِک اک قدم پہ لاکھ طرح کے ہراس ہیں
چہرے بہادرانِ عرب کے اُداس ہیں

سہتے ہوئے سفر کی اسی طرح سختیاں جاتے تھے کربلا کو شہنشاہِ انس و جاں
جو چرخ پر ہلال محرّم ہوا عیاں حسرت سے دیکھنے لگے شہ سوئے آسماں
موتی سے اشک چاند چہرے پہ ڈھل پڑے
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے



اردو مرکز لاہور



میر نفیس لکھنوی

میر نفیس

صبحِ کربلا

بیاضِ صبح کا جب چرخ پر ظہور ہوا
جو دورِ تیرگیِ شب کا تھا وہ دور ہوا
رخِ سحر سے خجل حسنِ روئے حور ہوا
محیطِ کون و مکاں آسماں کا نور ہوا
مطیعِ خالقِ لیل و نہار اُٹھنے لگے
پئے نماز عبادت گذار اُٹھنے لگے

کسی نے غسل کیا اور کیا کسی نے وضو
گلِ اذاں کی لگی جانے تا فلک خوشبو
نسیمِ طاعتِ ربِّ علا چلی ہر سُو
شگفتہ جوشِ عبادت سے ہو گئے گلرو
جہاں میں فصلِ صلوات و درود کی آئی
بہارِ تازہ قیام و قعود کی آئی

مصلّیوں کے مصلّے بچھے برائے نماز
فلک کے اوج پہ جانے لگی صدائے نماز
نمازیوں کے وہ نور اور وہ حسن جائے نماز
ملک بھی وجد میں تھے دیکھکر ادائے نماز
وہ کونسی تھی جماعت جو سرفراز نہ تھی
نمازیوں کی وہ معراج تھی نماز نہ تھی

رجوع تھے دلِ اہلِ یقیں سوئے باری
فریضہ سحری کی سحر کو تھی باری
جہاں میں حکم اَقِیمُوا الصَّلٰوۃ تھا جاری
ہر اک پہ خوفِ خدائے انام تھا طاری
کوئی خضوع میں تھا اور کوئی خشوع میں تھا

کوئی سجود میں تھا اور کوئی رکوع میں تھا

مہک رہے تھے گُلِ باغ بندگیٔ خدا | چمن قنوت کا دکھلا رہا تھا اپنی فضا
کِھلا تھا گلشن سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعلٰے | فدا ریاضِ تشہد پہ تھا بہشت علا

یہ ذکر عارضِ ایماں کا غازہ ہوتا تھا
سلام سے گُلِ اسلام تازہ ہوتا تھا

دکھا رہی تھی ادھر خوبیاں سحر کی ضیا | کہ اس ضیا سے گھٹی جاتی تھی قمر کی ضیا
وہ آبِ بحر کی ضو اور وہ دشت و در کی ضیا | ہر اک چمن کا وہ جلوہ وہ ہر شجر کی ضیا

گلوں سے مِل کے جو باہر نسیم آتی تھی
مشام جاں کو بسانے شمیم آتی تھی

سپیدۂ سحری چرخ کا عمود بنا | زمیں کا حُسن بڑھا جب فلک سے نور چھنا
فزا دکھاتا تھا اپنی ہر ایک باغ گھنا | طیور کر رہے تھے اپنے رب کی حمد و ثنا

رجوعِ حمدِ رزّاقِ العباد میں تھے
جو ذی حیات تھے وہ سب خدا کی یاد میں تھے

عبادت گذاری کا سماں

(پرندوں کی حالت)

حمام و کبک و پرستوک ہُدہُد و تیہو | پکارتے تھے کہ ہے لائقِ پرستش تو
نوا وہ مرغِ سحر کی دمِ سحر ہر سُو | کہیں تھا غلغلۂ حق کسی طرف گو گو

عیاں درود کی آواز تھی لبِ جُو سے
شجر بھی جھوم رہے تھے صدائے یاہُو سے

بلند نغمے ہوئے اور جب نسیم چلی — ہر اک تھا محوِ عباداتِ خالقِ ازلی
جھکی تھی طاعتِ رب میں ہر ایک شاخ پھلی — وہ ذکرِ حق تھا چٹکتی نہ تھی چمن میں کلی

کہاں جہاں میں اطاعت کے ساز و برگ نہ تھے
نہال بھی ہمہ تن تھے زباں وہ برگ نہ تھے

اُدھر ہیں زمزمہ خوان طائرانِ دشت و جبل — اِدھر ہیں مرغِ چمن محو ذکرِ عزّ و جل
زباں پہ ہے تو ہی آخر ہے اور تو ہی اوّل — ہر اک چمن جو ہے تازہ یہ بندگی کا ہی پھل

چہک رہے ہیں جو طائر پر اپنے تولے ہوئے
خدا کی یاد میں غنچے بھی منہ ہیں کھولے ہوئے

صدا ہے بلبلِ رنگیں نوا کی یہ ہر بار — ریاضِ مرتضوی پہ ہزار جاں ہے نثار
یہ کہہ رہی ہے ہر اک فاختہ پکار پکار — فدائے سروِ گلستانِ احمدِ مختار

وہ خوار ہے جسے انکی ولا حصول نہیں
بغیر حبِّ علیؑ بندگی قبول نہیں

درختوں کی عبادت

ہر اک نہال کی ہے شان سے یہی پیدا — زمیں پہ یہ بھی ہیں سرگرمِ بندگیٔ خدا
کوئی قیام میں کوئی سجود میں ہے جھکا — قریں جو سبزہ ہے وہ جانماز ہے گویا

تمام نخل تذلل میں اور خضوع میں ہیں
جھکی ہیں ڈالیاں جتنی وہ سب رکوع میں ہیں

فریضۂ سحری ہیں ادھر تھے محو حسینؑ — حضورِ قلب تھا بہرِ ادائے فرض العین
سبھوں کے آگے رسولِ خدا کا نور العین — پسِ امام غلامانِ شاہِ بدر و حنین

ادھر سے صوتِ حسنؑ جب فلک پہ جاتی تھی
صدائے مدح و ثنا آسماں سے آتی تھی

وہ نورِ عارض و پیشانیٔ امامِ انام
نشانِ سجدہ ہے یا نجمِ ثاقبِ اسلام
بصد خضوع جو پھیرا امامِ دیں نے سلام
دعا کو ہاتھ اٹھے اور ہوئی نماز تمام

ادا ریاضِ الٰہی کے فرض کرنے لگے
دلوں کے رازِ نہاں حق عرض کرنے لگے

پس از درود و ثنائے رسولِ حیؑ و قدیر
یہ تھا لبوں پہ کہ اے قادرِ علیم و خبیر
غلام ہم ہیں علی کے تو خادمِ شبیرؑ
مسافرت میں ہیں غمخوارِ سرورِ دلگیر

لہو میں آج بھریں سر سے تا قدم یارب
ہمارے نام شہیدوں میں ہوں رقم یارب

دمِ وغا مددِ شاہِ نامدار کریں
نبیؐ کے لال پہ جانوں کو ہم نثار کریں
ستمگروں کو نہ تیغِ شعلہ بار کریں
جہاں میں نام ہو وہ آج کارزار کریں

ڈگیں نہ پاؤں نہ لاکھوں سے کم رہیں مولا
کٹیں جو سر بھی تو ثابت قدم رہیں مولا

مسافروں کی ہے دشمن سپاہِ خانہ خراب
جگر ہمارے ہیں سوزِ غم و الم سے کباب
رسولؐ کا ہے پسر ساتویں سے بے خور و خواب
ترے حبیب کے پیارے پہ کب سے بند ہے آب

وہ دکھ میں ہے کہ محمدؐ کا جو نواسا ہے
غضب یہ ہے کہ ہمارا امام پیاسا ہے

چہار سمت سے راہیں رکی ہیں مقفل ہیں
گھرا ہے مالکِ باغِ بہشت جنگل میں

قمر ہے فاطمہ کا شامیوں کے بادل میں
لہو بہاؤ یہ ہے شور فوج کے دل میں
کوئی نہ غم ہو شہِ مشرقین کو یارب
شہید ہم ہوں بچالے حسینؑ کو یارب

یہ کہہ کے شکر کے سجدے نمازیوں نے کیے
رُخ اپنے اِن کی طرف سرفرازیوں نے کیے
مصافحے بخوشی اُٹھ کے غازیوں نے کیے
سلام کعبۂ دیں کو حجازیوں نے کیے
سپاہِ کیں میں اُدھر کوسِ جنگ بجنے لگے
حسینؑ گھر میں گئے یہ سلاحِ سجنے لگے

درُست تن پہ کیے سب جہاد کے ہتھیار
شگفتہ ہو گئے رخ صورتِ گُلِ گلزار
دکھائی باغِ شجاعت نے صاف اپنی بہار
بڑھے سوئے درِ دولت ادب سے گل رخسار
عروسِ مرگ کے خواہاں تنے ہوئے نکلے
سب اپنے خیموں سے دُولہا بنے ہوئے نکلے

نمودِ سحر

وہ شاہِ شرق کی آمد وہ نور چار طرف
وہ روشنی وہ سحر کا ظہور چار طرف
وہ ضَو وہ سرد ہوا کا مرور چار طرف
وہ زمزمے وہ نوائے طیور چار طرف
زمیں مہکتی تھی جو کھل کے پھول گرتا تھا

ہر ایک مرغ چمن باغ باغ پھرتا تھا

وہ نجمِ چرخ کا چھپنا وہ صبح کا آنا — وہ ماہتاب کا حسنِ سحر سے شرمانا
گلوں کی بو کا وہ رہ رہ کے چار سو جانا — لہک لہک کے وہ سبزہ کا رنگ دکھلانا
نثار گنبدِ خضرا اس آب و تاب پہ تھا
زمیں کا سبزۂ نوخیز بھی شباب پہ تھا

وہ جوئبار کے لہروں میں عکس نخلِ چمن — میانِ آب بھی اک باغ ہے یہ تھا روشن
وہ قطرے اوس کے بالائے سبزۂ گلشن — ردائے سبز پہ پھیلے تھے صاف دُرِّ عدن
زمیں کو اپنی ضیا آسماں دکھاتا تھا
سماں بہشت کا باغ جہاں دکھاتا تھا

وہ عندلیب کے نغمے گلوں کے پہلو میں — وہ حسن اور وہ اثر فاختہ کی کو کو میں
وہ قمریوں کی نوا جس سے سرو سب جُھومیں — زیادہ ایک سے اک پھول رنگ میں بو میں
ہوائے سرد کے جھونکے جو آتے جاتے تھے
یہ تھا سرور کہ غنچے بھی مسکراتے تھے



حضرات عون و محمدؑ کی معرکہ آرائی

وہ اس نمود سے دشت قتال میں آئے — کہ شیر صید پہ جیسے جلال میں آئے

ہجومِ فوج کب اُن کے خیال میں آئے — وغا کی فکر میں شوق جدال میں آئے

قریب بڑھ کے وہ یوں شیر دل گئے دونوں

سپاہِ کیں سے فرس جا کے مل گئے دونوں

سمند فوج کے بھڑکے سوار پیچھے ہٹے — جو سب کے آگے تھے وہ ہرزہ کار پیچھے ہٹے

پیادگانِ صف نابکار پیچھے ہٹے — بڑھا یہ خوف کہ بے اختیار پیچھے ہٹے

پروں پہ لشکرِ بیم و خطر جو آ کے گرا

وہ اس پہ جا کے گرا اور وہ اس پہ جا کے گرا

پکارا شمر کہ ہاں افسرانِ فوج بڑھیں — علم کئے ہوئے تیغیں جوانِ فوج بڑھیں

دہل پہ چوب لگے اب نشانِ فوج بڑھیں — گھرے ہوئے ہیں کدھر پہلوانِ فوج بڑھیں

خدنگ آتے ہی دونوں نے کی علم تیغیں

در آئے فوج میں غازی چلیں بہم تیغیں

لہو سے ہو گیا افشاں تمام صفحۂ خاک — مثالِ سطرِ غلط کٹ گئی صفِ سفاک

جو فنِ جنگ میں استاد تھے ہوئے وہ ہلاک — ورق کی طرح سے اجزائے جسم کر دئے چاک

نہ حاشیہ کا نہ پھر متن کا حساب رہا

درست فصل رہی اور نہ کوئی باب رہا

اجل نے آ کے خزاں کو کسی بہار نہ کی — کسی نے ڈر کے علم تیغِ آبدار نہ کی

نظر کسی نے ادھر بہرِ کارزار نہ کی — وغا میں ایک نے دونوں سے آنکھ چار نہ کی

قدم بڑھا نہ ادھر ایک لڑنے والے کا

زمیں تھی سرخ کہ پھولا تھا کھیت لالے کا

بڑھا کسی کا جو بھالا تو پھال کٹ کے گری — کلائی صورتِ شاخِ نہال کٹ کے گری
حسام بھی دمِ جنگ و جدال کٹ کے گری — مثال کاغذِ بوسیدہ ڈھال کٹ کے گری
اُٹھا کے تیغ بڑھے کوئی یہ مجال نہ تھی
وہ صف تھی کونسی جو واں شکستہ حال نہ تھی

سپر پہ جس کے گری خود و سر بھی کاٹ دیا — گلو و ترقوۂ بد گہر بھی کاٹ دیا
اُتر کے سینے میں قلب و جگر بھی کاٹ دیا — بڑھی وہاں سے تو بندِ کمر بھی کاٹ دیا
غضب کا بار تن و توشِ اہلِ کیں پہ گرا
دو نیم ہو کے برابر شقی زمیں پہ گرا

اُدھر تو اس نے دبا کر پرے کئے مسمار — اِدھر سے رول لیا اُس نے فوج کو یکبار
وہ سوئے میمنہ پہنچا علم کئے تلوار — یہ میسرہ پہ اُڑاتا ہوا گیا رہوار
عنانیں تازیوں کی پھیر پھیر کر مارا
ستم شعاروں کو یوں گھیر گھیر کر مارا

کئے دلیروں نے سینے ہدف لڑائی میں — ہوئیں ہزاروں کی جانیں تلف لڑائی میں
نہ بڑھ سکا کوئی خنجر بکف لڑائی میں — گرے پروں پہ پرے صف پہ صف لڑائی میں
بنے نشانۂ تیرِ قضا قدر انداز
اجل کے گھر میں گئے سارے خانہ برانداز

کبھی تھے قلب میں لشکر کی صورتِ ضیغم — کبھی جناح پہ جاتے تھے تیغیں کر کے علم
مزاج بگڑے ہوئے تھے طبیعتیں برہم — کبھی پھریروں کو نوچا کبھی گرائے علم
کبھی تھے پیل تنوں کے قریب بلونپہ کبھی

کبھی سواروں کے سر پر تھے پیدلو نپہ کبھی

کسی کی چھین لی تلوار اور کسی کی سپر   کسی کا پھینک دیا لیکے خاک پر خنجر
کسی کا تیغ سے بڑھ کر گرا دیا مغفر   کسی کی سخت کماں توڑ ڈالی جھنجھلا کر
کسی کا نیزہ کسی شخص کا تبر چھینا
کسی کا گرز کلائی مروڑ کر چھینا

نقشہ میدانِ جنگ

ڈنکا ہوا سپاہِ مخالف میں یک بیک   قرنا کے غل نے کر دیئے کر گوش نہ فلک
شورِ دہل سے ہل گئے زیرِ زمیں سمک   ہر دل سے پار ہونے لگی طبل کی گمک
باجوں کے ساتھ شام کے بھی یل گرجتے ہیں
آوازِ کوس و دف ہے کہ بادل گرجتے ہیں

سُرخ و سیہ کھلے ہوئے ہیں جابجا علم   تیغیں مثالِ برق چمکتی ہیں دمبدم
ہیں چار سمت برچھیوں سے برچھیاں بہم   نیزے ہلا رہے ہیں یلانِ صفِ ستم
رنگیں کمانیں ہاتھ میں نام آوروں کے ہیں
ترکش ہیں یا کھلے ہوئے منہ اژدروں کے ہیں

ذوالفقار کی تعریف

قربان تیغ بازوئے شاہنشہِ زمن ڈر سے لرز رہی تھی زمیں کانپتا تھا بن
سرتیز و سرفراز و سرانداز سرفگن جانسوز و دل شگاف و دل آزار و دل شکن
غل تھا یہ سامنے ہے جدھر ہم نکلتے ہیں
خونی ہے اسکے دیکھنے سے دم نکلتے ہیں

گہ جانب یمیں کبھی سوئے یسار تھی اس غول پر کبھی کبھی اس صف کے پار تھی
زخموں کے گل کھلے تھے گلے کا یہ ہار تھی یہ طرفہ فصل تھی کہ خزاں میں بہار تھی
ایسا پڑا تھا کھیت کہ سب فوج دنگ تھی
خوں سے زمینِ دشت بلا لالہ رنگ تھی

اللہ ری تیزی و برشِ تیغ جانگزا سایہ سے جسکے ہوتے تھے اعدا کے دم فنا
وہ گھاٹ اور وہ کاٹ وہ نابیں وہ منہ صفا دشمن جو اُس کی باڑھ کو دیکھے دمِ وغا
چہرہ ستم شعار کا تصویرِ غم بنے
اتنے شگاف ہوں کہ نگہ مو قلم بنے

حسینی لشکر میں جنگ کی تیاری

جب عابدوں کو طاعتِ شب میں سحر ہوئی سجدوں میں حق کے وہ شبِ طاعت بسر ہوئی
صف بستہ قتلِ شہ پہ ادھر فوجِ شر ہوئی تیارئ نمازِ جماعت اِدھر ہوئی

وردی بجی جنودِ ضلالت پناہ میں
ڈنکا ہوا اذاں کا خدا کی سپاہ میں
وہ نور دشت اور وہ اِس صبح کا سماں تاروں کے پھول رکھتا تھا دامن میں آسماں
صوتِ حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں گرمی میں ساری رات کے جاگے ہوئے جواں
صحرا میں قافلے وہ گلوں کی شمیم کے
پیغامِ خواب لاتے تھے جھونکے نسیم کے
آگے تھے سب صفوں کے امامِ فلک مآب گویا زمیں پہ چرخ سے اُترا تھا آفتاب
پھیلی تھی چار سو جو ضیائے رخِ جناب دونی مصلیوں کے رخوں پر تھی آب تاب
پرتو سے فیضیاب تھا وہ بھی جو دور تھا
تا آسماں زمیں کے ستاروں کا نور تھا
درگاہِ حق میں جھکتے ہیں جنکے سرِ نیاز حقا کہ خلق میں وہی بندے ہیں سرفراز
عالم ہے جو اسی پہ ہیں ظاہر دلوں کے راز بندوں کے بگڑے کام بناتا ہے کارساز
بیگانگی جو سب سے ہوئی آشنا ملا
جب اپنی یاد بھول گئے تب خدا ملا
وہ گردنوں کے نور وہ پیشانیوں کی ضو یکجا دمِ رکوع ضیا سے تھے ماہِ نو
وہ ان کی چشم و گوش کہ حق بیں و حق شنو مثلِ چراغِ صبح خدا سے لگی تھی لو
ابتک امام باڑوں میں جنکا ظہور ہے
یہ سب انھیں بجھی ہوئی شمعوں کا نور ہے
کیوں ان کی بندگی کا نہ غل ہو تہِ فلک جن کا نظیر تھا نہ ہوا کوئی آج تک

تسبیح کی صداؤں سے تھے وجد میں مَلک — سجدوں کے تھے نشاں کہ ستاروں کی تھی چمک
اِک اِک کو قربِ حق کی سعادت حصول تھی
لب اُنکے جس دعا میں ہلے وہ قبول تھی

نکلا فلک پہ نیّرِ گیتی فروز جب — مسجد سے شکرِ حق کے اُٹھے شاہِ تشنہ لب
خادم نے جانماز لپیٹی بصد ادب — آمادہ اسطرف ہوئے جب خاصگانِ ربّ
از بسکہ حق کی یاد میں دِل تھے لڑے ہوئے
غازی دعائیں پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے

کمریں کسیں سبھوں نے عمامے اُتار کے — ڈیوڑھی پہ آئے زیورِ جنگی سنوار کے
تیور کچھ اور ہو گئے ہر خاکسار کے — جنگل میں شیر آ گئے گویا کچھار کے
قبضہ کو سر پہ رکھ کے ہر اک چومنے لگا
تلوار جس نے ہاتھ میں لی جھومنے لگا

ہتواس لی کسی نے سپر کہہ کے یا قدیر — تولا تبر کسی نے کہ ہے وقت دار و گیر
کرنے لگا درست کوئی قوسِ بے نظیر — ترکش کے منہ کو کھول کے دیکھے کسی نے تیر
پھر باندھ لی کسی نے کمر چُست کھول کے
بھالے بھی دیکھ بھال لیئے تول تول کے

کہتے تھے چھوٹے بھائی سے عونِ فلک وقار — تاکے رہو انہیں جو ہیں لشکر کے نامدار
یہ معرکہ ہے آج کا دنیا میں یادگار — کیا عید ہو اگر ہمیں دے فتح کردگار
لشکر کے مورچے دمِ پیکار چھین لیں
جانباز پہلوانوں سے ہتھیار چھین لیں

یہ ذکر تھا اِدھر کہ اُدھر سے خدنگ آئے فوجِ امیرِ شام سے پیغامِ جنگ آئے
یاں غیظ میں محیطِ وغا کے نہنگ آئے سینے کشادہ ہو گئے جینے سے تنگ آئے
آنکھوں سے اشکِ شاہِ حجازی نکل پڑے
تیغیں پکڑ کے خیموں سے غازی نکل پڑے

صبحِ کربلا

جس دم ہوا سپہرِ بریں پر ظہورِ صُبح نکلا حجابِ شب سے رخِ صاف حورِ صبح
غالب ہوا ضیائے کواکب پہ نورِ صبح پھیلی زمیں پہ روشنیِ شمعِ طورِ صبح
پنہاں ستارہ ہائے شبِ تار ہو گئے
طالع خدیوِ صبح کے بیدار ہو گئے
تھے محوِ حمدِ صبح نشینانِ ذی شعور ہر اک کو تھا تلاوتِ وَالفَجر کا سرور
وہ دشتِ نینوا میں نوا سنجیِٔ طیور یاہو کا غل کہیں تو کہیں شورِ یا غفور
ہر دم تھا آشکار و نہاں کبریا کا ذکر
کرتے تھے اپنی اپنی زبانیں خدا کا ذکر
جھونکے وہ بادِ صبح کے سردی وہ معتدل سبزہ وہ جس سے ہو فلکِ اخضری خجل
خوشبو وہ تازے پھولوں کی جس سے خوشی ہو دل مرغانِ دشت و در کی صدائیں وہ متصل

وہ لطف طائرانِ چمن کی صفیر کا
دم بھر رہے تھے عشقِ خدائے قدیر کا

وہ تازگی گلوں کی وہ گلزار کی بہار
گلبانگ عندلیب وہ بالائے شاخسار
طاؤس کا وہ رقص تہ نخلِ سایہ دار
اٹھکھیلیاں نسیمِ سحر کی وہ بار بار
اِک وجد تھا نہال نہ پھولے سماتے تھے
رہ رہ کے غنچہائے چمن مسکراتے تھے

شبنم کی برگ سبز گلِ سرخ پر چمک
ہیرے کے نگ تھے لعل و زمرد پہ دور تک
وہ جھومنا درختوں کا باہم تہِ فلک
لالے کی وہ لہک گلِ خودرو کی وہ مہک
جلوہ وہ چار سمت سحر کی بہار کا
گلشن کھلا تھا قدرتِ پروردگار کا

شاداب و تر اُدھر تھے نہالانِ بوستاں
تھی باغِ فاطمہ پہ اِدھر آمدِ خزاں
پانی ہر ایک کھیت میں تھا جا بجا رواں
بے آب خشک تھا چمنِ مالکِ جناں
تھا باغیوں کا دور نیا انقلاب تھا
واں بہ رہی تھی نہر اِدھر قحطِ آب تھا

نوبت بجی سحر کی ادھر یاں ہوئی اذاں
خیمے سے نکلے اوڑھے عبا قبلۂ زماں
مولا کے منتظر تھے جو سب ہاشمی جواں
بندھنے لگیں صفیں عقبِ شاہِ انس و جاں
بالا تھا مرتبہ شہِ عالی مقام کا
آگے بچھا سبھوں سے مصلا امام کا

تکبیر کا وہ شور وہ تسبیح کا خروش
وہ گورے گورے رنگ عبائیں وہ زیبِ دوش

سجدوں میں سر جھکا تے تھے جس دم وہ سرفروش　　دریائے رحمتِ صمدی مارتا تھا جوش

اختر فلک کے خانۂ دیں کے سراج تھے

عمامے سر پہ تھے کہ شفاعت کے تاج تھے

پھر اسلام اِدھر شہِ گردوں مقام نے　　طبلِ وغا بجائے اُدھر فوجِ شام نے

مڑ کر دلاوروں پہ نظر کی امامؑ نے　　تسبیح رکھ دی ہاتھ سے ہر تشنہ کام نے

تیور بھی اور ہو گئے ہر ذی وقار کے

جھومے دلیر زیورِ فوجی سنوار کے

زردی رخوں سے اُڑ گئی اللہ رے شوقِ جنگ　　دکھلا دیا رحیقِ شجاعت نے سُرخ رنگ

دریا کو چھین لیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ　　موذی پے پھلکے کھینچ لیے مرکبوں کے تنگ

بل ابرؤں پہ دوش پہ شملے پڑے ہوئے

گویا درِ حضور پہ شیر آ کھڑے ہوئے

اِک سمت نوجوانوں میں سات آٹھ خورد سال　　برہم کھڑے تھے سب صفتِ شیرِ ذوالجلال

وہ بھولی بھولی صورتیں وہ حُسن وہ جمال　　حاصل تھے کمسنی میں بزرگوں کے سب کمال

گلرو تھے سرو قد تھے حسیں تھے دلیر تھے

کیونکر نہ ہوں کہ شیرِ الٰہی کے شیر تھے

آپس میں جھوم جھوم کے کرتے تھے یہ کلام　　پہلے ہمارے نیچے ہیں اور فوجِ شام

ہم جاں نثارِ اکبرؑ و قاسمؑ کے ہیں غلام　　بیتاب بہرِ جنگ ہیں اب خادمِ امامؑ

برسیں خدنگ تیغوں سے تن چُور چُور ہوں

جلدی کہیں حرم سے برآمد حضور ہوں

دو چار وہ مُسن کہ جوانوں میں انتخاب
قربان جنکے شیب پہ کیفیتِ شباب
طاقت میں وہ بدیے میں شجاعت میں لاجواب
قد غیرتِ ہلال پہ رُخ رشکِ آفتاب
جویائے آبرو وہ بدیعُ الجمال تھے
قدِّ خمیدہ دین کی دولت پہ دال تھے

پیری میں گو کہ ہاتھوں میں رعشہ تھا وقتِ جنگ
غصہ میں چیر ڈالیں مگر کلّۂ نہنگ
شیروں کے سے تھے جوانوں کے رنگ ڈھنگ
روئیں تن اُنکے ہاتھوں کی قوت سے تھی بتنگ
خم ہو کے سیدھے ہوتے تھے یوں کارزار میں
انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے کچھار میں

ہلتے سروں کو دوش پہ سمجھے ہوئے تھے بار
زار و نزار تن پہ قوی وقتِ کارزار
پیری میں رُخ پہ رعبِ جواناں تھا آشکار
توڑیں کلائی شیر کی وہ دستِ رعشہ دار
فوجوں میں نوجوانوں سے پیچھے نہیں رہے
سر کٹ گئے پہ پاؤں جہاں تھے وہیں رہے

منظرِ صبح

پے صلوٰۃ اُٹھے ہر طرف نماز گذار
زمیں پہ چار طرف نور چھا گیا اک بار
چلی نسیمِ سحر تازہ ہو گئے گلزار
ہوائے سرد چلی جھومنے لگے اشجار

چمن کا اور بڑھا رنگ نغمہ خوانوں سے
طیور اُترنے لگے اپنے آشیانوں سے

محیط ہوگئی عالم میں قدرتِ داور　　وہ آسماں کی صفائی نہ ٹھہرے جس پہ نظر
ستارۂ سحری کی چمک وہ گردوں پر　　وہ آب و تاب ہر اک باغ کی وہ نورِ سحر
چمن کے صحن کو خوشبو سے گُل بسانے لگے
طیور اِدھر سے اُدھر گلشنوں میں جانے لگے

چہار سُو وہ ضیا باریاں وہ ضو وہ چمک　　زمیں کے حُسن کو جُھک جُھک کے دیکھتا تھا فلک
وہ سرخ و زرد گلِ تر وہ بوستاں کی مہک　　وہ اوس کھائے ہوئے سبزۂ چمن کی لہک
ضیا دکھانے لگے سب کو داغ لالے کے
سحر کو ہو گئے روشن چراغ لالے کے

ہر ایک پھول تھا خنداں سرور کے مارے　　بہارِ صبح کے سب کر رہے تھے نظّارے
گلِ نجوم تو مرجھا کے رہ گئے سارے　　عیاں تھے قطرۂ شبنم سے خاک پر پارے
زمیں پہ نور کی چادر ہزاروں کوس پڑی
بہارِ شب کی مٹی آسماں پہ اوس پڑی

وہ آبِ نہر وہ ایک اک حباب کا جوبن　　چراغ جلتے ہیں پانی میں بس یہ تھا روشن
وہ نغمہ سنجیٔ مرغانِ خوش بیانِ چمن　　نوائے طیر سے اک وجد میں تھا سب گلشن
وہ حُسنِ صَوت کہ گلچیں بھی دل پکڑتے تھے
زبانِ بلبلِ شیدا سے پھول جھڑتے تھے

حضرت امام حسینؑ کی روانگی

مدینہ منوّرہ سے کوفہ کو

دشتِ غربت میں وطن سے شہِ دیں جاتے ہیں
ساتھ سب غنچہ دہن ماہ جبیں جاتے ہیں
غل ہے کنعانِ امامت کے حسیں جاتے ہیں
خاک ہونے کیلئے عرش نشیں جاتے ہیں
گلشنِ بادشہِ قلعہ شکن لٹتا ہے
جسمیں جنّت کی فضا تھی وہ چمن لٹتا ہے

باغ تھا جس سے وطن وہ گلِ تر جاتے ہیں
آبرو شہر کی جو تھے وہ گہر جاتے ہیں
خیبر تھی جن سے جہاں میں وہ بشر جاتے ہیں
جن سے گردوں تھا منوّر وہ قمر جاتے ہیں
گئی رونق جو ید اللہ کے پیارے نہ رہے
پھر اندھیرا ہے جہاں میں جو ستارے نہ رہے

درِ دولت پہ کھڑے روتے ہیں احبابِ امام
سب سے فرماتے ہیں شبیرؑ تسلّی کے کلام
ہیں کمر باندھے ہوئے شیرِ خدا کے گلفام
رنج و اندوہ میں ہیں یاور و انصار تمام
کوئی غمگیں ہے کوئی اشکوں سے منہ دھوتا ہے
رخصتِ شاہ کو جو آتا ہے وہ روتا ہے

خاک اُڑتی ہے دمِ صبح سحر ڈیوڑھی ہے اُداس
چار جانب ہے وفورِ الم و حسرت و یاس
سب جو روتے ہیں تو بچوں کے بھی ہے دل کو ہراس
علی اکبرؑ متردّد ہیں مشوّش عباسؑ
دیکھکر شاہ کو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں
باہر آتے ہیں کبھی گھر میں کبھی جاتے ہیں

خادموں پر ہے تقید کہ رہیں سب ہشیار بار اونٹوں پہ کرو خیمۂ شاہِ ابرار
جلد اصطبل سے کس کس کے سب آئیں راہوار رہیں ناموس کے سب ہودج و محمل تیّار
چھوڑ دے پردے محافوں کے نہ گر چھوڑے ہوں
اونٹ ہوں بائیں طرف دہنی طرف گھوڑے ہوں

لونڈیاں گھر سے لئے آتی ہیں اسبابِ سفر رکھتے ہیں اونٹوں پہ فراش اسے لیجا کر
مستعد ہیں وہ جنھیں جانا ہے منظورِ نظر کوچ کا شاہ کے اِک شور ہے اندر باہر
غل ہے عرصہ نہیں شبیرؑ کے اب جانے میں
در پہ رونق نہ وہ جلوہ ہی جلوخانے میں

سارا گھر ہے تہ و بالا صفتِ مجلسِ غم کوئی چشم ایسی نہیں ہے جو نہ ہو اشکوں سے نم
دل پہ ایک ایک کے چھایا ہوا ہے ابرِ الم یاس کا دور ہے اندوہ و الم کا عالم
شکل اپنی سحرِ ہجر جو دکھلاتی ہے
در و دیوار سے رونے کی صدا آتی ہے

ہے محل رونے کا ایسا ہو جو گھر بے رونق سینہ سقف ہوا جاتا ہے اندوہ سے شق
شہ نشیں خاک نشیں حجروں میں اسبابِ قلق صاف دالان ہے ماتم کے مرقع کا ورق
غم سے محراب ہے خم قبلۂ عالم کے لئے
ہر ستوں خاک پہ استادہ ہے ماتم کے لئے

طاق دیوار کے ہیں صورتِ چشم بے نور بام خورشید لبِ بام ہے غم کا ہے وفور
جو ہے روزن وہ ہے زخمی کے جگر کا ناسور سہ دری رنج سے شکستہ ہیں کہ راحت ہوئی دور
کام دروازے کی زنجیر کو ہے نالوں سے

اُبلتی آنسوؤں کی بہتی ہے پرنالوں سے

یہ تب و تاب یہ دھوپ اور پہاڑوں کی یہ راہ کہیں سایہ نہ کہیں نخل نہ بستی کوئی آہ
نہ تو چشمہ نہ کہیں چاہ نہ سبزہ نہ گیاہ چمنستانِ محمدؐ کا نگہبان اللہ

ہے غضب شہر کو ویران کئے جاتے ہیں
شیر خواروں کو بھی ہمراہ لئے جاتے ہیں

ننھے بچوں سے بھلا اُٹھیگی ایذائے سفر فصل آرام کی ہے کھیل کے ہیں یہ خوگر
سائے سے دھوپ میں آتے نہیں اکدم باہر ٹھنڈے پانی کی طلب رہتی ہے انکو دن بھر

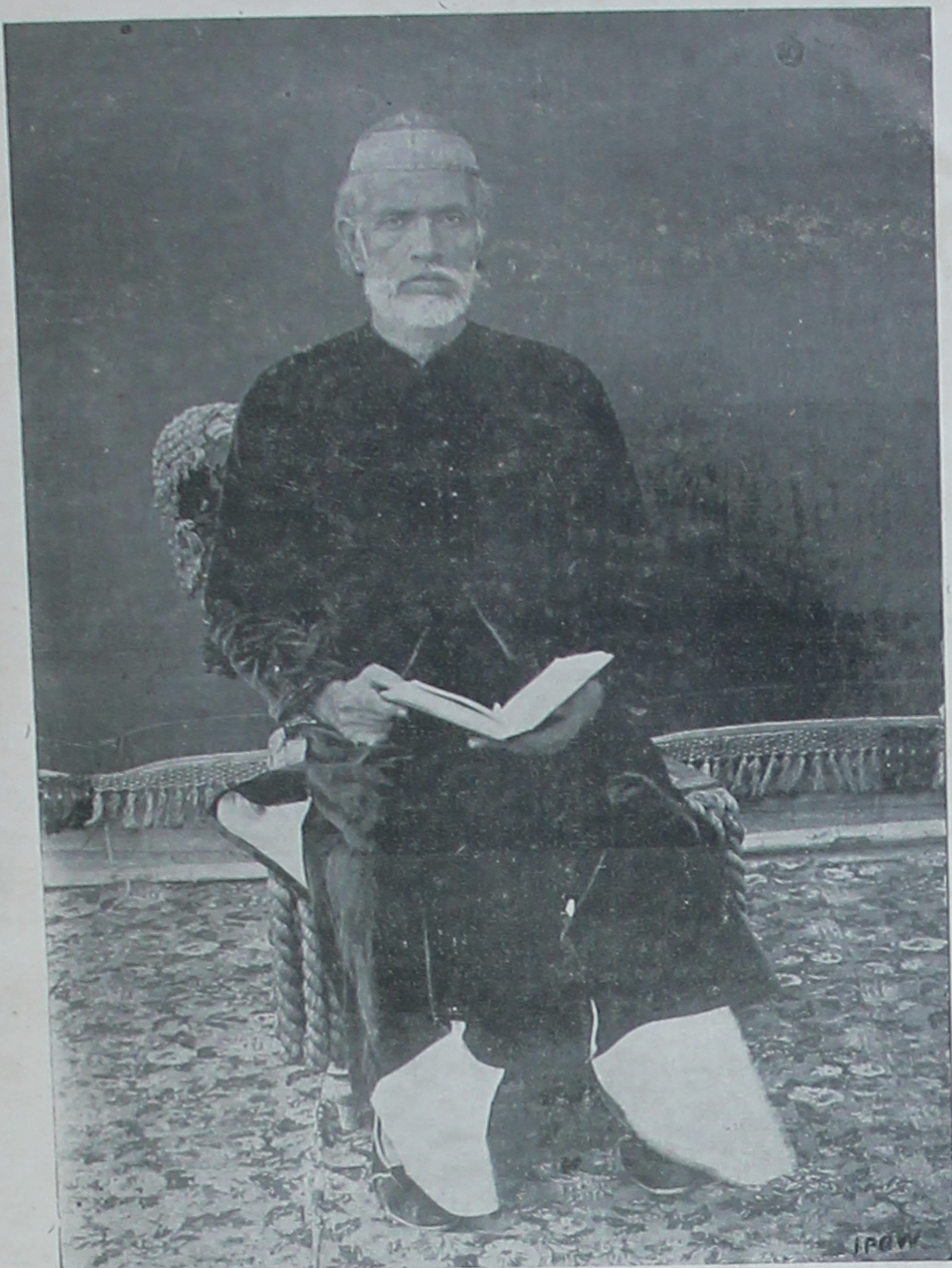
گرم ہو جائیگی ہوا دھوپ میں محمل ہونگے
پیاس کے یہ گلِ تازہ متحمل ہوں گے؟

علی اصغرؑ کیطرف دیکھکے شق ہوتا ہے دل ہائے یہ پھول سا بچہ ہے سفر کے قابل
کوچ یاں سے کیئے جاتے ہیں امام عادل کسی جنگل میں نہ پانی ہو تو کیا ہو مشکل

غم سے بیچین محمدؐ کا خلف ہو جائے
کوئی معصوم نہ رستے میں تلف ہو جائے



اردو مرکز لاہور



حضرت رشید لکھنوی

رشید

آمدِ صبح

آمدِ صبح تھی اللہ کی قدرت کا ظہور ۔۔۔ محو تھے طاعتِ معبود میں سب وحش وطیور
نظر آنے لگی ہر چیز چہ نزدیک چہ دور ۔۔۔ جیسے سیل آتا ہے اسطرح سے بڑھتا تھا نور
آشنا بحرِ سماوات کے سارے ڈوبے
موجزن نور کا دریا ہوا تارے ڈوبے

وہ ہوا سرد وہ سامانِ سحر چار طرف ۔۔۔ اوس کھائے ہوئے شاخوں پر ثمر چار طرف
وہ نہائے ہوئے سارے گلِ تر چار طرف ۔۔۔ شب کے بھیگے ہوئے شبنم سے شجر چار طرف
جس نے جس جا کا کیا قصد وہیں پر پہنچا
کثرتِ گل سے نہ اک قطرہ زمیں پر پہنچا

اب ہیں سیدھے وہ شجر غم سے جو تھے کاہیدہ ۔۔۔ دیکھے نرگس نے عجائب وہ جو تھے نادیدہ
گل ہیں چپ جیسے ہو معشوق کوئی فہمیدہ ۔۔۔ برگِ گل سایہ ہیں یا لب ہیں مسی مالیدہ
دفعتہً ہو گیا ہر ایک چمن جائے بہار
پھیل کر سایہ ہوا خیمۂ لیلائے بہار

ایسی سیراب زمیں ہے نہیں جسکا ثانی ۔۔۔ اس میں پوشیدہ کسی بحر کی ہے طغیانی
صفحہ دھویا ہوا ہو کھینچے جو نقشہ مانی ۔۔۔ گل کی پتی بھی گرے تو نکل آئے پانی
سرخ پھولوں سے عیاں خون ٹپکنے کو ہے
ساغرِ گل سے مئے رنگ چھلکنے کو ہے

داغِ الفت نہیں بلبل کے جگر پر ہی ہیں گل
سرِ دیوار بھی گل باغ کے در پر بھی ہیں گل

سب زمیں پر بھی ہیں ہر ایک شجر پر بھی ہیں گل
اب تو گل پاؤں کے نیچے نہیں سر پر بھی ہیں گل

ایسی کثرت کبھی دیکھی نہ سنی پھولوں کی
آسماں بن گیا پھولوں کا زمیں پھولوں کی

ہیں تنومند شجر باغ میں تیاری ہے
آج کل فصلِ بہاری بھی مگر ساری ہے

ہر شے آئینہ ہو یہ حکم بنا جاری ہے
عکس سے باغ کے دیوار ونپہ گلکاری ہے

منہ نقابوں سے ہیں سب اہلِ حیا کھولے ہوئے
گل ہوا کھا رہے ہیں بندِ قبا کھولے ہوئے

صبح کے دِل فریب مناظر - اور کیفیتِ چمن

وہ سماں صبح کا اور جانوروں کا وہ غل
پھول جو کھل رہے ہیں نغمہ سرا ہے بلبل

جب ہوا آئی جھٹکنے لگی زلفیں سنبل
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ نسیم اوس میں ڈوبے ہوئے گل

وہ ہوا دشت میں آئی کہ چمن پھول گئے
پیاس وو روز کی سب غنچہ دہن بھول گئے

اے خوشا وقت کہ عالم میں ہے سامانِ بہار
سب مہیا ہیں وہ چیزیں جو ہیں شایانِ بہار

پھر سنواری گئی ہے زلفِ پریشانِ بہار
صحنِ گلشن میں ہیں گل دست و گریبانِ بہار

پھول سب کھلنے لگے شاخ ہر اک پھلنے لگی

گر کے جب اوس تھمی سردِ ہوا چلنے لگی

مددِ ابر سے رکھتا ہے روانی پانی — کچھ جو کہتا ہے تو موجوں کی زبانی پانی
جا بجا عکس سے سبزے کے ہے دھانی پانی — جس طرف دیکھو نظر آتا ہے پانی پانی

آتش افروز کوئی چیز نہ تھی پانی میں
رنگ گل کا جو کٹا آگ لگی پانی میں

ایسی مستانہ روش بادِ بہاری آئی — اُلجھے پھولوں میں قدم سبزہ میں ٹھوکر کھائی
آنکھ نرگس کی کھلی باغ میں آہٹ پائی — شاخیں جھومیں کہ ہر اک نخل نے لی انگڑائی

بلبل اس درجہ ہوئی شاد کہ چلّانے لگی
سبزہ لہرانے لگا نہر میں موج آنے لگی

کتنی دلچسپ ہے سبزہ کے نکلنے کی بہار — کیوں صبا دوڑتی پھرتی ہے میانِ گلزار
ہے زمیں باغ کی گویا کسی نوخط کا عذار — سبزہ خوابیدہ ہے کہہ دے کوئی نرگس ہشیار

بے خبر ہے یہ عیاں ہے نظرِ بلبل سے
آنکھیں بس سینکتی ہے آتشِ رنگِ گل سے

کچھ عجب صورتیں غنچوں کی ہیں بھولی بھولی — جو فقیر آگیا بھر لی زرِ گل سے جھولی
منع بلبل نے کیا چیز کسی نے جو لی — بولی نرگس تجھے کیا بحث ہے تو کیوں بولی

بات جانی رہے یہ حسنِ بیاں کھل جائے
کہیں ایسا نہ ہو سوسن کی زباں کھل جائے

وہ ہوا باغ کی وہ ابر کا آنا جانا — قصۂ بلبل کا کہیں گل کا کہیں افسانا
حسن اور عشق کا ہر ایک جو ہے دیوانا — کثرتِ گل یہ ہے مشکل ہے خزاں کا آنا

راستے بند ہیں پھولوں کا مزا تازہ ہے
دہنِ غنچہ ہے یا باغ کا دروازہ ہے



نمودِ سحر

شان وہ صبح کے آنے کی وہ لطفِ صحرا — چترِ زرِ خسروِ خاور کا اُفق سے چمکا
کُندنی رنگ کے معشوق کا چہرہ نکلا — کسی محبوب کی ہے زرد قبا کا پردا
زعفراں کا ہے یہ کھیت اسکا ہی غل خلقت میں
گلِ صد برگ کھلا ہے چمنِ جنّت میں

سرخیِ مہر سے روشن ہے کہ ہے شعلۂ طور — نئی صورت سے ہوا نوح کے طوفاں کا ظہور
سیل کی طرح لگا پھیلنے ہر سمت کو نور — ہر طرف شور ہوا خلق میں فارالتنّور
ہے یہ طوفان نیا اس میں نئی خوبی ہے
سب نظر آتے ہیں یوں خلقِ خدا ڈوبی ہے

بزمِ انصار میں جب وہ شہِ ذیشاں آیا — دست بوسی کو ہر ایک صاحبِ ایماں آیا
ساتھ احمدؐ کے ہر اک خاصۂ یزداں آیا — حوریں حاضر ہوئیں پابوسی کو رضواں آیا
جوش پر رحمتِ ربّ دوسرا ابھی آئی
سب کے سب آئے تو جنّت کی ہوا بھی آئی

پھر بہار آنے میں کیا دیر تھی کھِلنے لگے گُل   وجد میں لائی درختوں کو صدائے بلبل
خود بخود جوش میں بل کھا گئی زلفِ سُنبل   مست کرنے لگا کہسار میں طاؤس غل
پتّیاں قطرۂ شبنم سے نمو پائے ہوئے
کِس کی اُلفت میں ہیں ہیرے کی کنی کھائے ہوئے

پوری امیدیں ہوں وہ وقت وہ بار آجائے   پوری پوری نظر آنکھوں کو بہار آجائے
دلِ عاشق کو تمنا ہے کہ یار آجائے   پیش خیمہ ابھی آیا ہے بہار آجائے
غنچے سب چٹکیں تو باتیں ابھی ساری بنجائیں
جرسِ قافلۂ فصلِ بہاری بن جائیں

ایسی ہے کثرتِ گل جسکا ٹھکانا ہی نہیں   زلزلہ آئے تو اب ہل نہیں سکنے کی زمیں
ڈھیر دم بھر میں پہنچنے کو ہیں تا چرخِ بریں   ہر طرف لُوٹ اور چُن رہے ہیں پھول حسیں
چُور مہندی میں ہے بلبل یہی چلاتی رہی
آخر اس بھیڑ میں نرگس کی نظر جاتی رہی



صُبحِ عاشورہ

صبحِ عاشور کی جب دشت میں تنویر ہوئی   لیلیِ شب کی جوانی نہ رہی پیر ہوئی
رَن میں جو شے تھی وہ اِک نور کی تصویر ہوئی   دِل جلے سرد ہوا میں نئی تاثیر ہوئی

یوں ہلے برگِ شجر شورِ فغاں اُٹھنے لگا
شبنم اڑنے لگی آہوں کا دھواں اُٹھنے لگا

ہو گئے مشغولِ نمازِ سحری میں سرور — پیچھے صف باندھے ہوئے سارے عزیز و یاور
سب کے سب ثانیِ مقداد و تمیم و بوذر — رتبہ میں فرش سے کعبہ کے۔ مصلّے بہتر
متوجہ سوئے حق قلب و جگر تھے اُن کے
پاؤں تھے فرش پہ اور عرش پہ سر تھے اُنکے

تاجِ زرّیں سے ہوا جب سرِ گردوں پر نور — خضر نے چاہا کہ ہو قلزمِ اخضر سے عبور
رنگ وہ چرخ کا وہ مہر کا مشرق سے ظہور — شیر کا چہرہ نظر آتا تھا سبزہ میں دور
کوئی معشوق بصد شوکت و ناز آتا ہے
سُرخ بیرق ہے سمندر میں جہاز آتا ہے

پھول کھلنے لگے بُلبل کی صدا آنے لگی — کہ نظر باغ کی صحرا میں فضا آنے لگی
غنچہ گل ہونے لگے بادِ صبا آنے لگی — ٹھنڈی ٹھنڈی لبِ دریا سے ہوا آنے لگی
بچے ہر مرتبہ آقا کی طرف مڑنے لگے
زُلفیں ہلنے لگیں دامانِ قبا اُڑنے لگے

پھولوں نے فصلِ بہار آتے ہی رنگت پائی — زرِ گل مل گیا گلچیں نے بہ دولت پائی
پانی کے زور سے فوّاروں نے قوّت پائی — دست و پا بیلوں نے پھیلا دئیے راحت پائی
ہے سکوں سب کو ہر اک امر میں آسانی ہے
آئینہ چوکھٹے میں نہر میں یا پانی ہے

ہے جوانانِ چمن کی ہر ادا خوش اسلوب — کیسے خوش رنگ لباس اُنکے وہ شکلیں مرغوب

بُلبلیں باغ میں طالب ہیں تو گُل ہیں مطلوب   سایۂ شمشاد کا ہے روکشِ قدِ محبوب

بدلی آآ کے جو ہر بار سرک جاتی ہے

کہیں دُھوپ اور کہیں چھاؤں نظر آتی ہے

جا بجا پھولوں کے انبار ہیں جس طرح پہاڑ   اب تو کیسی ہی خزاں آئے نہ گلشن ہو اُجاڑ

ہے ملاپ آج نہیں ہے گل و بلبل میں لگاڑ   بیٹھی ہے جا کے قریں دیکھ کے پتّوں کی آڑ

پائے صیّاد کی آہٹ جو ذرا پاتی ہے

سینکڑوں باتیں سناتی ہوئی اُڑ جاتی ہے

وہ سماں صبح کا کہسار میں طاؤس کا شور   تارے چُھپنے میں نظر آنے لگے دیدۂ مور

ایسا دِکھلا ہی ہے فصلِ بہار اپنا زور   دیکھتے دیکھتے نرگس کی ہوئیں آنکھیں کور

کیفیت ایسی اُدھر تھی کہ اِدھر پھر نہ سکی

پہنچی تو چہرۂ ہر گل پہ نظر پھر نہ سکی

اس قدر کثرتِ گل ہے کہ نہیں جسکا حساب   ٹٹّی مہندی کی ہر اِک دب کے یہ کرتی ہے خطاب

میں لپٹی جاتی ہوں یہ جان پہ کیسا ہی عذاب   دمبدم فصلِ بہاری اُسے دیتی ہے جواب

شوق لِپٹنے کا ہے ہر دم اسی تدبیر میں ہے

روزِ اوّل ہی سے لِپٹنا تری تقدیر میں ہے

قطرے شبنم کے ہر اک سمت ہزاروں ہیں عیاں   ہیں شجر سارے مرصع یہی ہوتا ہے گماں

جوہری آتے ہیں دھوکے میں میانِ بُستاں   ابرِ نیساں کا بھلا کون اُٹھاتا احساں

کِئے ہیں فصلِ بہاری نے یہ جوہر پیدا

کہ درختوں میں بھی ہونے لگے گوہر پیدا

چال ہے بادِ صبا کی کہ ہیں بے تاب شجر دمبدم لیتی ہے گلزار میں اِک اِک کی خبر
کبھی اِس گل پہ عنایت ہے کبھی اُس گل پر کبھی جاتی ہے اُدھر اور کبھی آتی ہے اِدھر
شوق میں لوٹتے ہیں برگِ خزاں دیدہ بھی
کروٹیں لے رہا ہے سبزۂ خوابیدہ بھی



کربلائے معلّٰی

ہے ارض کربلائے معلّٰی جوابِ عرش ہر ذرّہ اس زمین کا ہے آفتابِ عرش
پائے نہ اس کی گرد کو بھی آب و تابِ عرش جس کا غبار اُڑ کے ہُوا ہے حجابِ عرش
وہ جائے فخرِ جنّتِ عنبر سرشت ہے
کیوں کر کہوں بہشت کہ رشکِ بہشت ہے
روشن ہے آستانۂ شبیرؑ کس قدر چوکھٹ کسی کو صاف جو آتی نہیں نظر
کہتے ہیں ایک نور کا خط ہے زمین پر ہاں ہے یہ حدِ روضۂ سلطانِ بحر و بر
اعدا نہ آنے پائیں یہاں کید کے لئے
زنجیرِ در بنی فقط اِس قید کے لئے
زنجیر بست دیکھ کے کرتے ہیں سب بیاں یہ موجِ بحرِ عفو ہے لیکن نہیں رواں
یہ بھی ہے ایک معجزہ شاہِ انس و جاں ہوتا ہے دور سے خطِ پیچیدہ کا گماں

بولا یہ جس کو کاہکشاں کا گماں ہوا
لوحِ جبیں سے خطِ مقدر عیاں ہوا

تسنیم دیکھے حوض تو ہو قصدِ ترکِ لاف   کوثر سے لاکھ درجہ ہے بہتر خطا معاف
ہیں سب کنارے صورتِ آئینہ خشک و صاف   پیاسے موئے ہیں یہ پئے امت نہیں خلاف
ہے طور حوض میں مئے بخشش کے جام کا
دھوکا ہے پیڑیوں پہ لبِ تشنہ کام کا

جنبش نہیں کلس کو یہ ہے شاہ کا ادب   گنبد پہ ہے چمک کہ ٹھہرتی نظر ہے کب
سمجھے ہیں اُس کو قبۂ نورِ الٰہ سب   پہلے یہ تھا سفید مطلّا ہوا ہے اب
نقشہ ہے بحرِ قدرتِ حق کے حباب کا
اُس کو لگا ہے کاٹ کے رنگ آفتاب کا

پردہ چھٹا ہوا ہے نئی ہر مثال ہے   منہ پر حزیں کے دامنِ رنج و ملال ہے
دامانِ والدین کا سب کو خیال ہے   اُڑتا ہے کب۔ یہ وجد سے فرحت کا حال ہے
پردہ بندھا ہے کب نہ گئی عقل ایک کی
پیچیدہ فرد رکھی ہے اعمالِ نیک کی

ہر شب کو روشنی کا سماں ہے کہ واہ وا   قندیل میں چراغ ہیں کس درجہ خوشنما
سینہ میں جس طرح ہو دلِ عارفِ خدا   شمعیں بھی ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں پئے دعا
عرصہ ہوا ہے پیاس میں شاہ کو مرے ہوئے
ہیں ہر لگن میں شمع کے آنسو بھرے ہوئے

ہے جلوہ گر ضریحِ شہنشاہِ بحر و بر   زائر بیان کرتے ہیں آپس میں دیکھکر

ہیں جالیاں کہ آنکھیں ہیں، سہرا ہے یا نظر
گویا کہ دیکھتا ہے بعینہ کوئی ادھر
شبیر تیر کھا کے مرے یہ نشان ہے
جسمِ مشبکِ شہِ والا کی شان ہے

توصیفِ فرسِ خوش عناں

اُڑتا ہے فرس بن گئے ہیں دامن زیں پر
رُکتا ہے کسی سے نہ ٹھہرتا ہے کہیں پر
ہے نعل کا پرتو مہِ نو چرخِ بریں پر
کھلتے ہیں گلِ نقشِ قدم رن کی زمیں پر
ہے بلبلِ شیدا بھی مقر جلوہ گری کی
کیا چال اُڑائی ہے نسیمِ سحری کی

اس رخش کو عباسؑ سا اسوار سنبھالے
دوڑے جو صبا ساتھ پڑیں پاؤں میں چھالے
نرغہ میں جہاں پہلوؤں سے مِل گئے بھالے
رہوار نے گویا پرِ پرواز نکالے
سب شامیوں سے بھر کے طرارا نکل آیا
شب ختم ہوئی صبح کا تارا نکل آیا



مرزا اوج لکھنوی

اوج

جلوۂ سحر

ہوا اُفق سے برآمد جو ناجدارِ سحر کیا جلوس سرِ تختِ زرنگارِ سحر
سہانے وقت نے کی پیشکش بہارِ سحر شفق نے پھول کے دکھلایا لالہ زارِ سحر
چلی چمن میں صبا ٹہنیاں ہلاتی ہوئی
شجر سے مِل کے گلونکو گلے لگاتی ہوئی

کھلا فلک پہ جو گلزار تازہ کارِ سحر شفق کے رنگ سے دونی ہوئی بہارِ سحر
دہک اُٹھا نمِ شبنم سے شعلہ زارِ سحر عیاں ہوئے خطِ ابیض سے آبشارِ سحر
عجب سماں ہوا انجم کی ضو فشانی میں
کہ بڑھ کے آگ لگادی ہوا نے پانی میں

ہوا جو صبحِ شہادت کا آسماں پہ ظہور زمیں پہ ہو گئے بیتاب سب وحوش و طیور
نمودِ صبح نے پھیلا دیا جو اپنا نور ضیائے کاہکشاں ہو گئی نگاہوں سے دور
فلک کے خیمۂ اخضر سے ماہتاب اُٹھا
تڑپ کے بسترِ خاور سے آفتاب اُٹھا

عجیب رنگ نرالا سماں نیا عالم وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا وہ ترشحِ شبنم
وہ ضو فگن علمِ آفتاب کا پرچم وہ ڈوبتے ہوئے تارونکی روشنی مدّھم
سحر کے غازۂ کافور کا وہ بہ جانا
وہ مشکِ شب کی سیاہی کا پیچھے رہ جانا

ستاروں کا وہ جھلکنا وہ نور کا تڑکا　　سپیدۂ سحری کا وہ پھیلنا ہر جا
سمجھ کے مرہمِ کافور کا اُسے پھاہا　　جگر کا داغ دکھاتا تھا لالۂ صحرا
ہنسانے پر جو گلوں کے نسیم کی ہٹ تھی
نمود غنچوں کے ہونٹوں سے مسکراہٹ تھی

نسیمِ صُبح چلی تازگی دکھاتی ہوئی　　گلوں سے دبتی ہوئی کانٹوں کو دباتی ہوئی
چہار سمت شگوفے نئے کھلاتی ہوئی　　نوائے بلبلِ شوریدہ کو اُڑاتی ہوئی
گئی اِدھر سے اُدھر شاخوں کو ہلا آئی
چمن میں سبزۂ خوابیدہ کو جگا آئی

سحر کی دیتے تھے غنچے چٹاک چٹاک کے خبر　　سروں سے شاخوں کے تکیے سرک گئے تھے مگر
بہار دیکھتے تھے پھول اُٹھا اُٹھا کر سر　　شجر تھے محوِ تماشا بلند ہو ہو کر
ہوائے گل میں ہوس کی طرح سے بڑھتی تھیں
مچل مچل کے درختوں پہ بیلیں چڑھتی تھیں

ضرور اہلِ زباں تھے طیورِ دشت مگر　　پھڑکتے تھے گل و بلبل کی بحث رنگیں پر
جھکائے کانوں کو چپ بن رہے تھی برگِ شجر　　بنی تھی دیدۂ حیرت چمن میں نرگسِ تر
وفورِ شرم سے سوسن نہ سانس لیتی تھی
خموشی لاکھ تکلّم کا لُطف دیتی تھی

اُڑے جو طائرِ گلشن تو سر ہی سر پہ گئے　　بسانِ مرغِ نظر رشتۂ نظر پہ گئے
چھپے گلوں میں کبھی دیکے شاخ تر پہ گئے　　گہ اس شجر پہ گئے گاہ اس شجر پہ گئے
ہوائے شوق میں پر تولتے ہوئے اُترے

کبھی خاموش کبھی بولتے ہوئے اُترے

بھرا تھا دیدۂ نرگس میں نیند کا جو خمار — نہ دیکھنی تھی ذرا مڑ کے حالِ زارِ ہزار
چمن میں تھا نہ کسی شاخِ گل پہ انکو قرار — تڑپ کے اُڑتے تھے اور بیٹھتے تھے سو سو بار

وفا میں ڈوبے ہوئے عطرِ گل میں ترتے تھے
گلوں سے مہکے ہوئے پر زمیں پہ گرتے تھے

روا روی میں اگر چھو گئی ذرا صرصر — عیاں ہوئی حرکت پتیوں میں سر تا سر
اُڑے مہکتے ہوئے ارغواں کے دامنِ تر — پروں سے کرنے لگی آڑ بلبلِ بے پر

جو تھیں گھنی ہوئی شاخیں وہ سر بسر پھیلیں
گلوں کے پردے کی خاطر بہم دگر پھیلیں

ہوائے گل کو لئے شہرتِ عمیم چلی — کہ جس کے چلنے پہ خود طبعِ مستقیم چلی
مشامِ جاں کو بساتی ہوئی شمیم چلی — ہلے درخت اُڑے جانور نسیم چلی

عجب رنگ سے گھل مل گئے نکہتِ گل میں
چمن میں جا کے سمائی دماغ بلبل میں

نہ ہونے کیوں دُرِ شبنم سے آب آب گہر — کھڑے تھے پہنے ہوئے موتیوں کے ہار شجر
نہ اپنے جامے میں پھولے سماتے تھے گلِ تر — نسیمِ دل کی گرہ کھولتی تھی آ آ کر

ہزار شوق سے منہ عندلیب تکتی تھی
کھلیں تھیں غنچوں کی باچھیں ہنسی ٹپکتی تھی

زلالِ عشق سے سرشار بلبلِ ناکام — ہزار جان سے تھی محو گل بہ شوق تمام
تذرو و کبک تھے سرمستِ ناز صرفِ خرام — مے نشاط سے لبریز تھے جو غنچوں کے جام

روشن پہ باد صبا لڑکھڑا کے گرتی تھی
بغل میں ہاتھ لئے شاخِ گل کا پھرتی تھی

چمن میں چار طرف ہے بہارِ تازہ کا جوش
کہ عندلیبوں کے بازو ہیں اور پھولوں کے دوش
ہے لالہ سبزۂ خوابیدہ سے جو ہم آغوش
نسیمِ صبح جگاتی ہے پر نہیں اُسے ہوش
ہے شاخوں کی حرکت پتّوں کی آہٹ بھی
ملا وہ چین کہ لیتا نہیں ہے کروٹ بھی

عیاں ہوائے چمن سے ہے بیخودی کا اثر
روش پہ دوڑتے پھرتے ہیں گل اِدھر سے اُدھر
درخت جھومتے ہیں۔ شاخ لئے تازہ و تر
زمینِ صحنِ چمن سونگھتی ہیں جھک جھک کر
دخانِ آتشِ گل اور رنگ لایا ہے
کہ بن کے ابرِ بہاری چمن پہ چھایا ہے

سفیدی چاند کی اور آفتاب کی زردی
وہ گرمی آتشِ گل کی ہوا کی وہ سردی
چٹک کے غنچے بجاتے ہیں صبح کی وردی
وہ گل کی بلبلِ شیدا کے ساتھ ہمدردی
ہنسے شگوفے کہ فصلِ بہار آ پہنچی
صبا لئے ہوئے پھولوں کے ہار آ پہنچی

ہیں شاخِ گل پہ نشاط و سرور کے ساماں
خوشی سے پھول کے بیٹھی ہے بلبلِ دستاں
گلاب و نسترن و یاسمین و نافرماں
ہوئے سحر کے تبسم کے ساتھ لب خنداں
نہال ہے دل پر ذوق پھول سے پھل سے
کہ خار ہو گئے ہیں بزم خاب مخمل سے

صبا بسی ہوئی پھولوں کے عطر سے ہمہ تن
نئی دلھن کی طرح سے ہے درمیانِ چمن

مگر ہے قہرِ عروسانِ باغ کا جوبن
وہ اُن کی ترچھی نگاہیں وہ ان کا بھولا پن
ادا کے ہاتھ سے گھونگھٹ اٹھائے بیٹھے ہیں
روش پہ زانو سے زانو دبائے بیٹھے ہیں

بہارِ دشت پہ اشجار کی وہ سرتابی
ہرے کچھ وہ پتے وہ اُن کی شادابی
ثمر کسی میں جو اودے کسی میں عنابی
وہ شاخِ گل پہ عنادل کے دل کی بیتابی
وہ ڈہڈہاتے ہوئے زرد گل بُولوں کے
وہ چھُپاتے ہوئے رنگ سُرخ پھُولوں کے



شبِ کربلا

ظلمت ہوئی جب زلف کشا پردۂ شب میں
بختِ سیہ روز چھپا پردۂ شب میں
سرکی جو رخِ مہ سے ردا پردۂ شب میں
روپوش ہوا مہر، سرا پردۂ شب میں
چہروں سے نقابوں کو ہٹانے لگے انجم
گردوں پہ صفیں اپنی جمانے لگے انجم

گھاٹوں پہ وہ کم ظرفوں کا آ آ کے اُترنا
اور پیاس سے یاں عترتِ شبیر کا مَرنا
وہ ہونکنا شیروں کا وہ اطفال کا ڈرنا
وہ رات کا وقت اور وہ غضب شورشِ قرنا
سہمے ہوئے جو گودیوں میں سوتے تھے بچے

اس غلغلہ سے چونک کے غش ہوتے تھے بچے

انصار خدا دیتے تھے باہر سے یہ آواز
تشویش نہ فرمائیے موجود ہیں جاں باز
سر دینے کو حاضر ہیں پئے شاہِ سرافراز
کھل جائینگے دیرینہ نمک خواروں کے انداز
لاکھوں سے دمِ جنگ و جدل منہ نہ پھریگا
حضرت کے پسینے پہ لہو اپنا گرے گا

تھے فکر میں شبخوں کی جو شامی سیہ رو
مولا کی نگہداشت میں تھے یاورِ خوش خو
خیمہ کا طلایہ کوئی کرتا تھا جفاجو
بیٹھا تھا کوئی ڈیوڑھی پہ ٹیکے ہوئے زانو
رخ کرتی ادھر، تھا نہ یہ منہ فوجِ وغا کا
دشوار سوئے خیمہ گذرنا تھا ہوا کا

نقشہ میدانِ جنگ

میدان میں بجے دہلِ جنگ یک بیک
وہ غلغلہ دمامے کا تاشوں کی وہ کڑ کڑ
وہ بوق کا غریو وہ نقارہ کی گمک
تھرا اٹھی زمین لرزنے لگے فلک
ہر قسم کے سرود بجے ہرزہ کاروں میں
قرنا ہوئے پیادوں میں ڈنکا سواروں میں

کرکیت رزم گاہ کو چلے پا کے اذنِ عام
یوں بڑھ کے مورچوں سے گرجنے لگے تمام
ہاں اے بہادرو ہے یہی وقتِ ننگ و نام
ہاں ہر فروشو جان لڑانے کا ہے مقام

کیا دیکھتے ہو رن کو جوانو قدم بڑھاؤ
بھالے سنبھالو برچھیاں تانو قدم بڑھاؤ

ہر صف میں بندھ گئیں کمریں کھل گئے نشاں — جنبش ہوئی زمیں کو بڑھا لشکرِ گراں
وہ پیدلوں کے دَل وہ سوار وہ نگی ٹولیاں — وہ پہلواں عراق کے وہ خیبری جواں
ہاتھوں میں اصفہان کی تلواریں کھچ گئیں
رَن میں برابر آہنی دیواریں کھچ گئیں

اندھیر تھا سپہ میں پھریروں سے سربسر — لہرا رہے تھے صورتِ افعی اِدھر اُدھر
کالی گھٹا اُٹھی تھی کچھ آتا نہ تھا نظر — میدان کیا لرزتے تھے کوفہ کے بام و در
دم بند رعد کا تھا کمانیں کڑکتی تھیں
بجلی سی اس گھٹا میں سنانیں چمکتی تھیں

وہ فوج بے شمار وہ جمعیّتِ کثیر — وہ قاعدہ کے ساتھ صفِ لشکرِ شریر
جنگانہ اور چھوڑنہ کچھ اوّل و آخیر — وہ شاطروں کے غول نقیبوں کی وہ بھیر
پڑتا تھا یکدگر قدم آگے بڑھا ہوا
لہرائے جس طرح کوئی دریا چڑھا ہوا

کوسوں تلک تھے دامنِ صحرا میں کینہ خواہ — کوتہ ہوئی تھی وسعتِ صحرا پئے نگاہ
بھیڑ اس قدر کہ پیکِ نظر کو ملے نہ راہ — فکرِ قیاس و وہم جہاں جا کے ہوں تباہ
کیا بندوبستِ ظلم تھا مہمان کے لئے
لاکھوں کا اژدہام تھا اک جان کے لئے

رَیتی پہ تھے خیامِ شہِ آسماں جناب — سن سن کے آمد آمدِ انبوہ بے حساب

بڑھتا تھا اہلِ بیتِ محمدؐ کا اضطراب بیٹھے ہوئے تھے خاک پہ ناموسِ بوتراب
طبل و دہل کے شور سے بچے دہلتے تھے
ننھے سے قلب سینہ کے اندر اُچھلتے تھے

گھوڑے کی تعریف

گھونگھٹ میں ہے وہ شان کہ جیسے نئی دلھن سج دھج وہ جس سے گرد حسینوں کا بانکپن
نازک تن و سمن برو گلفام گلبدن اک دھوم ہے کہ شیر کے برقعہ میں ہے ہرن
جنبش عناں کی وقت تگ و پو بہانہ ہے
راکب کا قصد اسکے لیئے تازیانہ ہے
آئے سبک روی پہ جو اسپ سبک رکاب خشکی میں ہو وہ چال کہ جس طرح موج آب
دریا میں ہو رواں صفت لکہ سحاب مسمار ہو نہ زیر قدم گنبدِ حباب
پتلی کا پتلیوں سے سر مو ضرر نہ ہو
آنکھوں میں یہ پھرے پہ کسی کو خبر نہ ہو

ایضاً

جولاں ہے سبک رو صفتِ قلزم جاری دن گھٹ گیا بڑھتے ہی غضنفر کی سواری

سینے میں لئے قافلۂ مشکِ تتاری اجڑے ہوئے گلشن میں چلی بادِ بہاری
صرصر ہے رواں خاک اڑاتی ہوئی پیچھے
آتی ہے صبا ٹھوکریں کھاتی ہوئی پیچھے

ضیغم میں یہ حملہ ہے نہ آہو میں رم ایسا گردوں ہے بلا گردِ قدم خوش قدم ایسا
کب رنگ بدلتا ہے جہاں دمبدم ایسا ہے پیکِ صبا سُست یہ ہے تیز دم ایسا
لشکر سے عجب شوکت و اجلال سے نِکلا
جِس غول سے نِکلا یہ نئی چال سے نِکلا

اک حشر کا ہنگامہ ہوا رن میں ہویدا ہر سو صفِ ہیجا میں قیامت ہوئی برپا
روکا کئے اعدا نہ رکا توسنِ زیبا اک ابر کا لکہ تھا کہ پہنچا لبِ دریا
غل تھا غضبِ ایزدِ سُبحاں نہیں رُکتا
سچ ہے خس و خاشاک سے طوفاں نہیں رُکتا

علمدار کی لاش

دو اک قدم بڑھے تھے شہِ دیں کہ ناگہاں آیا نظر علیؑ کا غضنفر لہو لہاں
پانی اِدھر کو مشک اُدھر اس طرف نشاں اک ہاتھ یاں زمیں پہ ملا دوسرا وہاں
جلتی زمین پر جسد پاش پاش ہے

مشک و علم کے بیچ میں سقہ کی لاش ہے

لیتا ہے کروٹیں جو زمیں پر وہ شیر نر
پھوٹ آتی ہیں خدنگ کی نوکیں اِدھر اُدھر
سینے کے گھاؤ سے ہیں عیاں پارۂ جگر
منکا ڈھلا ہے چاند سا ہے چُور چُور سر
ہوتا ہے صدمہ اور دلِ چاک چاک پر
جسدم اُٹھا کے پاؤں پٹکتے ہیں خاک پر

اسوقت اُن کے سینے میں آکر رُکا جو دم
گھبرا کے سر کیا قدمِ شاہ دیں پہ خم
پیاسا چلا جہاں سے بہشتی سوئے ارم
ہچکی جو آئی کانپ گئے سر سے تا قدم
کمہلا کے رنگ پھول سے منہ کا بدل گیا
آنکھیں سوئے امام رہیں دم نکل گیا

اک آہ سرد بھر کے اُٹھے سیّدِ زماں
روتے ہوئے خیام کو حضرت ہوئے رواں
مشک و علم اُٹھا کے چلے اکبرِ جواں
ہر ہر قدم پہ گرتے تھے سرور یہاں وہاں
ابتر تھا حال زار امام سعید کا
گردن جھکائے ساتھ تھا گھوڑا شہید کا

ڈھلکا ہوا وہ زین سراسر لہو میں تر
آلودہ خون میں وہ رکابیں اِدھر اُدھر
بالائے زیں دھری ہوئی تلوار اور سپر
مظلومیت برستی تھی اس بے زبان پر
چھوڑا تھا خاک پر جو تنِ پاش پاش کو
پھر پھر کے رخش دیکھتا جاتا تھا لاش کو

تلوار کی تعریف

مغفر پہ جو چمکی سر بدخو کو نہ چھوڑا
آنکھوں میں پھری گوشۂ ابرو کو نہ چھوڑا
پہنچی جو کلائی پہ تو بازو کو نہ چھوڑا
اللہ ری ضربت کسی پہلو کو نہ چھوڑا
دعوے تھے جنہیں تیغ وسناں پھینک کے بھاگے
گوشوں میں چھپے تیر وسناں پھینک کے بھاگے

ہر صف کو جلاتی ہوئی وہ شعلہ ور آئی
بجلی سی چمکتی ادھر آئی ادھر آئی
جب آپ سے باہر ہوئی لشکر میں در آئی
عاشق کی طبیعت تھی کہ آئی جدھر آئی
یوں جوہر پرنور تھے اس برق طپاں میں
جس طرح پڑے تاروں کا عکس آب رواں میں

شہ رگ میں چھپی گردن وسر کاٹ کے نکلی
آنکھوں میں پھری تار نظر کاٹ کے نکلی
پہلو میں گئی قلب وجگر کاٹ کے نکلی
گرنے پہ کھلا بند کمر کاٹ کے نکلی
سینے میں قیامت کی تپش چھوڑ کے نکلی
الجھی جو ذرا رشتۂ جاں توڑ کے نکلی



عارف لکھنوی

نمودِ سحر

رن میں جب آمدِ صبحِ شبِ عاشور ہوئی　　تیرگی شرم سے ظلمات میں مستور ہوئی
صبح کے فیض سے جنگل کی زمیں طور ہوئی　　خلعتِ نور ملا لیلیٰ شب حور ہوئی

وہ سماں اور وہ نورِ سحری کا جلوہ
نظر آنے لگا ہر شے میں پری کا جلوہ

محوِ راحت نہ فقط وقتِ سحر تھے مردم　　خواب آلودہ نظر آتی تھی چشمِ انجم
سرد جھونکے وہ ہوا کے جو کریں ہوش کو گم　　جا بجا ابر خجل جس سے وہ فرشِ قاقم

جمع سامان ہوئے راحت کے جو سارے دمِ صبح
اپنی آنکھوں کو جھپکنے لگے تارے دمِ صبح

کچھ فلک پر جو نہیں پائے گئے آثارِ سحر　　آمدِ خسروِ خاور کی ہوئی گرم خبر
تھا جو معلوم کہ درپیش ہے دن بھر کا سفر　　باندھی شمس نے بھی نور کی چادر سے کمر

عکس اشجار سے پیدا تھی عجب جلوہ گری
نظر آتا تھا ہر اک سنگ عقیقِ شجری

اہلِ افلاک نے دیکھا جو یہ رنگ اور یہ سماں　　دامنِ ابر میں چھپنے کو گئی کاہکشاں
سُن لیا خود جو شہِ شرق کی آمد کا بیاں　　جا کے مغرب میں ہوا خسروِ انجم پنہاں

سیر کرنے کے لئے بادِ بہاری نکلی
دھوم سے خسروِ خاور کی سواری نکلی



حضرت عروج لکھنوی

منتظر صبح کے بیٹھے تھے جو مرغانِ سحر   زمزمہ کرنے لگے دیکھتے ہی شانِ سحر
صاف آوازِ عنادل تھی کہ قربانِ سحر   سو زباں سے گُلِ صد برگ ثناخوانِ سحر
نور وہ تھا کہ ہر اِک جن و ملک دیکھتا تھا
شان ہر ذرے کی جھک جھک کے فلک دیکھتا تھا

آنے جانے لگی تھم تھم کے نسیمِ سحری   پاؤں رکھنے لگا بن بن کے ہر اِک کبکِ دری
عکسِ اشجار سے پیدا تھی عجب جلوہ گری   نظر آتا تھا ہر اک سنگ عقیقِ شجری
ڈالیاں جھومتی تھیں وجد میں ہر ڈالا تھا
صاف اِک حلقۂ خاتم تھا وہ جو تھالا تھا

اپنی صورت پہ حسینانِ چمن کا وہ غرور   کوئی نزدیک کسی سے تو کسی سے کوئی دور
وصل سے شاد کوئی ہجر سے کوئی رنجور   خوشنما کوئی تو ظاہر کوئی خوش، رو مستور
بے خطر صورتِ نرگسِ نگراں تھا کوئی
شرم سے آڑ میں پتوں کی نہاں تھا کوئی

طرفہ اُس صبح کو تھی باغِ جہاں کی رونق   تھا ہر اِک طائرِ حق گو کی زباں پر حق حق
صورتِ ابرِ تنک چرخ پہ کم کم وہ شفق   گرمیِ حسن سے ہر عارضِ گل پر وہ عرق
آتشِ گل سے عنادل کے جگر جلتے تھے
قطرے شبنم کے پسینے کیطرح ڈھلتے تھے

عام تھا خلق پہ لطف و کرم ربانی   آبشاروں سے رواں چار طرف تھا پانی
چرخِ اخضر تھا جو وہ سبزۂ کوہستانی   گلِ خورشید پہ ہنستے تھے گلِ بستانی
مضطرب تھیں جو ہوائیں دلِ شیدا کیطرح

موجیں سبزے میں نظر آتی تھیں دریا کی طرح

مست کی طرح کھڑے جھومتے تھے تازہ نہال
خوش پڑے پھرتے تھے مرغانِ چمن کھولے بال

مختصر تھا چمنستانِ جہاں کا یہ حال
اب رقم کرتا ہوں گلزارِ نبیؐ کا احوال

بے کھلے شاخ سے اِک ایک کلی ٹوٹ گئی
دوپہر دن میں جسے بادِ خزاں لوٹ گئی

میر عشق

حضرت امام حسینؑ کا عالمِ تنہائی

پھولا جو رن میں روزِ دہم گلشنِ سحر
انجم چھپے تمام ہوا مہر جلوہ گر

اُٹھا نماز پڑھ کے یداللہ کا قمر
کھنچ کھنچ گئیں نیاموں سے تیغیں اِدھر اُدھر

مہماں کے قتل پر ستم ایجاد تُل گئے
مشکل کشا کی بیٹیوں کے بال کھُل گئے

سب صبح تک تھے ساتھ مگر عصر کے قریں
شہ کے قریب و دور نہ تھا کوئی مہ جبیں

خالی ہوئے مکاں سوئے جنت گئے مکیں
بادِ فنا سے گُل ہوئے کیا کیا چراغِ دیں

میداں میں خون ماہ جبینوں کا بہ گیا

تارے شفق میں ڈوب گئے چاند رہ گیا

تھے صبح تک تو گرد رفیقانِ لاجواب پروانوں میں تھے شمع ستاروں میں آفتاب
تا ظہر سوئے خاک پہ افسوس ماہتاب گویا گیا شہیدوں نے مقتل میں پا تراب
تیر آرہے تھے لوں میں شہ مشرقین تھے
لاکھوں کا تھا ہجوم اکیلے حسینؑ تھے

تنہا کھڑے تھے خون میں تر کون دیکھتا تھے داغدار قلب و جگر کون دیکھتا
تھا انتہا کا ضعفِ بصر کون دیکھتا صدمے سے جھک گئی تھی کمر کون دیکھتا
آیا جو پاس ہو کے پریشان ہٹ گیا
کتنی تھی بیکسی کہ دم اُس دم اُلٹ گیا

یہ گرم تھا لباس کہ اللہ کی پناہ چھائی ہوئی تھی یاس کہ اللہ کی پناہ
دل اِس قدر اداس کہ اللہ کی پناہ چلّا رہی تھی پیاس کہ اللہ کی پناہ
دانتوں میں خشک ہونٹ دمِ اضطراب تھے
یاقوت موتیوں سے طلبگار آب تھے

آنکھیں ملیں جو دھوپ سے تارِ نظر جلے جب آئے مرغِ تیرنگوں میں پر جلے
دریا بنا تنور صدف میں گہر جلے آیا جدھر سموم کا جھونکا شجر جلے
تھا رنگ لال آگ کے دریا سراب تھے
سیخیں بنی تھیں ڈالیاں غنچے کباب تھے

اُنس

حضرت عباسؑ کا ایک رومی پہلوان سے مقابلہ

ناگاہ وار تیغوں کے چلنے لگے بہم
دو بجلیاں چمکنے لگیں رن میں دم بدم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپ خوش قدم
کانپے جبل لرزنے لگی وادیِ ستم
عباس بولے لُطف ہے اب کارزار کا
صید آئے زد پہ جب تو مزا ہے شکار کا

چوٹیں وہ سخت سخت وہ ضربیں کڑی کڑی
تیغوں کی وہ تڑپ صفت برق ہر گھڑی
خالی گئی وہ گر کے تو یہ ڈھال پر پڑی
گھوڑے چمک گئے جو سپر سے سپر لڑی
سر تا قدم پسینے میں تر تھے سوار بھی
تھے گرمیوں سے غرق عرق راہوار بھی

ہر دم تھا کجروی پہ اُدھر رخشِ پہلواں
یاں جھومتا تھا مرکبِ عباسؑ نوجواں
دشمن پہ جا پڑا لگا یہ چتون سے تھا عیاں
سمٹا ہوا ملی ہوئی دونوں کنوتیاں
کف منہ میں غیظ سے قدم آگے بڑھے ہوئے
اُبلی ہوئی وہ انکھڑیاں نتھنے چڑھے ہوئے




حضرت انیس

کربلا کے کوہ و صحرا

اطراف سبزہ زار پہاڑوں کا وہ سماں	پانی سوئے نشیب بلندی سے وہ رواں
سیلانِ آبِ صاف سے جلوہ تھا وہ عیاں	جسکی جھلک پہ ہوتا تھا مقیش کا گماں
اس دھوپ میں وہ حسن و صفا ایک حال پر
سہرے بندھے ہوئے تھے جبینِ جبال پر

پھیلا سفیدہ سحری جبکہ یک بیک	مانند قلب پاک مصفا ہوا فلک
پائی زمیں نے مہر کے جلوے سے وہ چمک	ناظر کو جسپہ ہو حلبی آئینہ کا شک
ذرے چمک کے نور کا گنجینہ بن گئے
کانٹے زمیں پہ جوہر آئینہ بن گئے

٭



گھوڑے کی تعریف

پسنے لگے عدو وہ جدھر سے گذر گیا	زخمی اسے کیا اسے بیکار کر گیا

وہ جست کی یہ کوند کے آیا اِدھر گیا تڑپا یہ ٹاپ کھا کے کچل کر وہ مر گیا

اعضا لرز رہے تھے ہر اِک ذی حیات کے

بجلی تڑپ رہی تھی کنارے فرات کے

اویس

تلوار کی تعریف

نکلی غلاف نور سے تفسیر جوہری یا آ کے دست بوسِ سلیماں ہوئی پری

یا حجلۂ عروس نے کی جلوہ گستری یا ہے یہ شاخِ میوۂ طوبےٰ ہری بھری

شاخ نیام سے ہُوا اسطرح پھل جُدا

پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بَل جدا

پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخلِ طور گرمی میں محض نار تو نرمی میں صرف نور

آسیب سایہ چال پری قبضہ چشمِ حور خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صور

یوں دفعتہً زمیں سے گئی آسمان پر

جس طرح غصّہ آئے کسی ناتوان پر

پھر تو پکار تھی یہ اِدھر وہ اُدھر گرا وہ پنجہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا

بن بن کے برق سایۂ تیغِ ظفر گرا — واں مورچے سے باپ اُٹھایاں پسر گرا
چہروں پہ مردنی کی طرح تیغ چھا گئی
ہر استخواں میں مثلِ تپِ دق سما گئی

باطل کو حق سے تیغ نے خود کر دیا پرے — خورشید جیسے رات کو دن سے جدا کرے
خالی طرارے رخش جہندہ نے جو بھرے — میدان سے ہرن ہوئے روباہوں کے پرے
شعلہ جو اس کے مشعلِ سم سے عیاں ہُوا
کیا کیا چراغِ پا فرسِ آسماں ہُوا

آتے تھے جو ر توڑ عجب تیغ تیز کو — سر سے گری جدا کئے پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو — برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بُو گُل نے رنگ لالہ نے سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کم ہے اپنی نیابت قضا نے دی

ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے — پا کمر کے بیچ میں پڑی سیدھی چال سے
اُٹھ کر زرہ میں آئی شکوہِ جلال سے — اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینہ سے منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

ہے قاعدہ کہ بھرتا ہے پانی جو ناگہاں — دریا میں بیٹھ جاتی ہے ہر کشتیِ رواں
پر اِس جہازِ تیغ کو خطرہ نہ تھا وہاں — عبّاسؑ ناخدا تھے۔ علم شہ کا بادباں
دریائے خوں تھا تیغ سبک رو کی ناؤ پر
پرواں رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

کاٹا پلک کو آنکھ پہ پُتلی میں نور کو پاؤں میں کج روی کو سروں میں غرور کو
سینہ میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
یوں فوج کا ہجوم تھا تیغ اصیل پر
گرمی سے جیسے پیاسوں کا بلوہ سبیل پر

میر ضمیر

نمودِ صبح

خلعت جو ستاروں کا ہوا پیرہنِ شب ناگہ گُلِ خورشید نے لوٹا چمنِ شب
انجم گئے برباد ہوئی انجمنِ شب آمادہ کیا صبح نے لا کر کفنِ شب
آراستہ تختِ فلک نیلوفری تھا
فرقِ شہ خاور پہ دھرا تاجِ زری تھا

جب چرخ کا وہ طائرِ زرّیں نظر آیا زاغِ سیہ شب نے نشیمن کو اُٹھایا
مرغابیِ انجم نے جو اِک پرتوہ پایا غوطہ وہیں اس قلزمِ اخضر میں لگایا
پر آ جو گئے طائرِ بیضا کی چمک پر
کم ہونے لگا بیضۂ مہتاب فلک پر

جدم شہِ خاور ہوا مشرق سے نمودار مقراضیں لئے خطِ شعاعی کی بس اک بار
زلفِ سیہِ شب کا بریدہ ہوا ہر تار کی پیر زن صبح نے گردوں پہ یہ گفتار
ہاں عالمیان قطع نہ کیوں گیسوئے شب ہو
عریاں جو سر عترت ساداتِ عرب ہو

اورنگ نشینِ شرفِ صفحہ طارم جس وقت ہوا زیب دہِ قصرِ چہارم
تب چار طرف لٹنے لگے گوہرِ انجم گوہر کہاں پھر خود طبق ماہ ہوا گم
خورشید اُٹھا لے گیا میدان سے رن کے
خودِ سرِ مہتاب کو نیزے سے کرن کے

رومی بھی ہوا بادشہ زنگ پہ منصور نکلا افقِ چرخ سے رخشاں علم نور
سلطان ضیا بخش طرب خانۂ جمہور شبدیز فلک پہ بہ سواری ہوا معمور
جس وقت شکست اپنی ہوئی ماہ کو حالی
پھینکی سپر بدر بھی اور تیغ ہلالی

تھی صبح عجب صبح پُر اندیشہ و غمناک دامن میں بھرا خونِ شفق جیبِ قبا چاک
نورِ سحر و مہر پہ بے نور تھے افلاک افلاک سے جوں ابر برستی تھی پڑی خاک
ہوتی تھی یہ فریاد عیاں جنّ و ملک سے
دوپہر ڈھلی خون بھی برسے گا فلک سے

دبیر

صبحِ کربلا

جس وقت شمسہ شمسہ برجِ فلک ہوا مشرق سے فرش نور کا مغرب تلک ہوا
شرمندہ ماہ دیکھ کے اُسکی جھلک ہوا عالم میں ذکرِ خالقِ جنّ و ملک ہوا
شب کی روانگی تھی سحر کا ظہور تھا
ہر جا پہ روشنی تھی ہر اک جا پہ نور تھا

نقارۂ سحر کی کہیں تھی صدا بلند تھا اِک طرف کو نالۂ شیرِ خدا بلند
خیموں میں تھی اذاں کی صدا جابجا بلند تھے سوئے حق حسینؑ کے دستِ دعا بلند
سر شمع ساں قلم ہو حسینِؑ غریب کا
روشن جہاں میں نام ہو تیرے حبیب کا

ہر با خدا کے وردِ زبان تھا خدا خدا تھے مرغِ صبح مستعد ذکرِ کبریا
دیتے تھے بندگانِ الٰہی کو یہ صدا جاگو نمازِ صبح پڑھو سو رہے ہو کیا
دیکھو صلوٰۃ قبلۂ اہلِ صلات کو
سجدے میں اور رکوع میں کاٹا ہے رات کو

روشن ہوئے خطوطِ شعاعی باب و تاب گویا عیاں ہوئی مژہ چشمِ آفتاب
بوسے کو آیا سوئے درِ ابنِ بوتراب کہتا یہ مہر دیکھ کے دروازۂ جناب
جاروب چاہیئے نہیں ایسے مکان کو
پلکوں سے اپنی جھاڑوں میں اس آستان کو

سجادہ ماہتاب کا واں چرخ سے اُٹھا اور کعبۂ زماں کا مُصلّا یہاں بچھا

تسبیح دست پاک میں اور لب پہ تھی دعا روشن تھے دانے اختر تابندہ سے سوا
نور جبین شہ سے عجب آب و تاب تھی
پر نور سجدہ گہ صفت آفتاب تھی

یاں شاہِ دیں تھے مستعد ذکرِ کبریا وردِ زباں نجات خلائق کی تھی دعا
واں لشکرِ یزید میں شورِ نشور تھا تدبیر قتل سبطِ پیمبرؐ تھی جابجا
سب کی خوشی یہ تھی دلِ زہرا دو نیم ہو
بن باپ کی سکینہؑ ہو عابدؑ یتیم ہو

وہ صبح کا ظہور وہ میدانِ کربلا بجنا ہر ایک سمت کو وہ طبل جنگ کا
فوجِ عدو میں ایک کو تھا اک جگا رہا اور پیک سونے والوں کو دیتے تھے یہ صدا
جاگو درست فوج اِدھر اور اُدھر ہوئی
لو گردنِ حسینؑ کو کاٹو سحر ہوئی

دھوتا تھا منہ کنارۂ دریا کوئی عدو مشغول غسل نہر میں تھا کوئی زشت رو
منظور رختِ تن کی کسی کو تھی شست و شو بستر سے اُٹھ کے تھا کوئی آمادہ وضو
یاں پیاس سے حسینؑ کے اطفال روتے تھے
مُنہ وقت صبح اشکوں سے سادات دھوتے تھے

آنکھوں کو مل رہا تھا کوئی خوابگاہ پر بستر پہ اپنے باندھ رہا تھا کوئی کمر
شمشیر باندھتا تھا کوئی اور کوئی سپر تقدیر کہہ رہی تھی یہ ساماں دیکھ کر
سب خلق روئیگی شہِ دلگیر کے لیے
حربے یہ سب ہیں حضرتِ شبیرؑ کے لئے

کہنا تھا کوئی شیر کا ہے آج سامنا
جس نے پیا ہے دودھ جنابِ بتولؑ کا

آساں نہیں مقابلۂ شاہِ کربلا
بہتوں کے سر کو کاٹ کے کٹوائیگا گلا

مشکل ہے قتل راحتِ جانِ بتولؑ کا
شبیرِ کا گلا بھی گلا ہے رسولؐ کا



ایضاً

وہ صبح تھی یا آئینہ حالِ شہیداں
ہر ایک کو وارث نظر آنے لگے بیجاں

آنکھوں کے تلے پھرنے لگا موت کا ساماں
زینب کو سر اپنا نظر آنے لگا عُریاں

بانو کی یہ فریاد تھی اے لوگو یہ کیا ہے
لاشہ مرے آگے علیؑ اکبر کا پڑا ہے

وہ روشنی صبح وہ جنگل وہ بیاباں
وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا ساماں

ہر مرتبہ جنبش میں بہم برگِ درختاں
اور شاخوں پہ وہ زمزمۂ مرغِ خوش الحاں

خورشید کی تو جلوہ گری اوج و سما سے
اور خیموں میں جھنا وہ چراغوں کا ہوا سے

وہ پرتوِ مہر اور وہ ذرّوں کا چمکنا
اور ساغرِ خورشید سے وہ نور چھلکنا

اور خیمے میں شبیر کے بچوں کا بلکنا
سر خاک پہ ہر مرتبہ رو رو کے پٹکنا
عالم تھا یہ اُس دم حرم خاک نشیں پر
تسبیح گرے ٹوٹ کے جسطرح زمیں پر

لشکر میں اُدھر صبح کی نوبت ہوئی آغاز
نقارہ تھا یاں صبح کا تسبیح کی آواز
اُس سمت بجاتی تھی دہل فوج دغاباز
یاں سینہ زناں تھے حرم شاہ سرافراز
اُس سمت علم کھولے ہوئے اہل ستم تھے
یاں فوج تھی اشکوں کی اور آہوں کے علم تھے

سجادے کو ناگہ شہِ بیکس نے بڑھایا
اور دستِ دعا کو طرف قبلہ بڑھایا
اللہ کو رو کر یہ بصد عجز سُنایا
یارب میں تری راہ میں مرنے کو ہوں آیا
اِس رہ میں مجھے توشۂ تسلیم و رضا دے
منزل سے مدینے کے مسافر کو لگا دے

ایضاً

عالم میں جبکہ نورِ سحر جلوہ گر ہوا
روئے فلک پہ سہو کا نقطہ قمر ہوا
آراستہ گروہِ عدو سر بسر ہوا
آوازِ طبلِ جنگ کا بھی شور و شر ہوا
خوابیدہ گانِ خاک اُٹھے اپنے خواب سے
پنبہ بگوش چرخ ہوا آفتاب سے

سرگرم جست گھوڑوں کو کرنے لگے سوار
پہنچا غبار تا سرِ افلاک بے مدار
صف بستہ تھی جو فوج مہیائے کارزار
تھی وہ ہجوم گرد سے سطرِ خطِ غبار

آلودۂ غبار زمیں یاں تلک ہوا
جو اک گھڑی میں شیشۂ ساعت فلک ہوا

یاں تشنگانِ تیغ تھے بشاش و مستقل دور از فرات چشمۂ کوثر سے متصل
سُبحہ بدست و شکر بلب یادِ حق بدل سجادہ زیب ذکرِ الٰہی سے مشتغل
چہروں سے تو نمود شہادت کی شان تھی
پر تشنگی سے ہونٹوں کے اوپر زبان تھی

رنگِ شفق نے جبکہ کیا آسماں پہ جوش فوجِ حسینؑ ہو گئی میداں میں سُرخ پوش
آوازِ یا حسینؑ کا تھا ہر طرف خروش اور دست بستہ سامنے صبر و قرار و ہوش
دریا کو دیکھتے تھے نہ پانی کی چاہ میں
لہرا رہا تھا چشمۂ کوثر نگاہ میں

تھا گھر میں ابنِ ساقیِ کوثر کے قحطِ آب تھے جام سرنگوں صفتِ ساغرِ حباب
اطفالِ خورد سال کو تھی پیاس بیحساب کہتے تھے شہ سے العطش اے ابنِ بوتراب
پیاسا جو یاں حسینؑ علیہ الصلوات تھا
موجوں سے پیچ و تاب میں آبِ فرات تھا

آتی تھی طبلِ جنگ کی خیمہ میں جو صدا دہشت سے دل دھڑکتا تھا سب اہلبیت کا
بانو نے اپنے سر سے ردا کو گرا دیا کہتی تھی دل سے زینبؑ مضطر لصد بکا
گردن کٹے گی تیغ سے سبطِ رسولؑ کی
لُٹ جائیگی اب آج کمائی بتولؑ کی

ایضاً

جب ماہ نے نوافلِ شب کو ادا کیا — اور قبلۂ غروب میں ذکرِ خدا کیا
باہم صفِ نجوم نے بھی اقتدا کیا — مجمع نمازیانِ سحر نے سوا کیا
پڑھنے کو فرض طاعتِ ربِّ غیور کے
خورشید نے وضو کیا چشمے سے نور کے

کھولا کلیدِ مہر نے جب قفلِ بابِ صبح — صندوقِ آسماں سے نکالی کتابِ صبح
سب کا بدر نویس ہوا آفتابِ صبح — لکھنے لگا عطارد گردوں حسابِ صبح
ابرئ صبح دھو کے تمام آب تاب سے
عیسیٰ کو دی کہ خشک کرے آفتاب سے

گلگونۂ شفق جو ملا حورِ صبح نے — اسپند مشکِ شب کو کیا نورِ صبح نے
گرمی دکھائی روشنیِ طورِ صبح نے — ٹھنڈے چراغ کر دئے کافورِ صبح نے
لیلیٰ شب کے حُسن کی دولت جو لُٹ گئی
افشاں جبیں سے انجم درخشاں کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشانِ صبح — سلطانِ صبح نے کیا قصدِ اذانِ صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتانِ صبح — چرخِ چہارمی پہ گیا خطبہ خوانِ صبح
مُنہ سب کے سوئے قبلۂ امید ہو گئے
سرگرمِ سجدہ عیسیٰ و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغِ روز لئے شاہِ نیم روز — ماہی شکار و شیر سوار و جہاں فروز

باندھے کمر میں خنجرِ بیضائے کینہ سوز پھر دیوِ ہفت سر ہوا صیدِ عقابِ روز
مہتاب لشکرِ شہِ خاور میں گھر گیا
اژدہ شعلِ ع کا سرِ انجم پہ پھر گیا

آیا عروج پر شرِ گیتی ستانِ مہر لی روز نے پناہ بزیرِ نشانِ مہر
پرچم کشا ہوا علمِ زرفشانِ مہر اور لشکرِ شعاع نے تانی سنانِ مہر
نیزہ کرن کا دیدۂ گردوں میں ڈال کر
مغرب میں پھینکی رات کی تُپلی نکال کر

مغرب میں جب کہ غرق جہازِ قمر ہوا سلطان شرق راکبِ کشتیٔ زر ہوا
پانی کا قحط مہر سے شہِ بحر و بر ہوا گم لنگرِ سفینۂ خیر البشر ہوا
دریا دلی نے بادشہِ نیک ذات کی
بخشی علیؑ کے شیعوں کو کشتی نجات کی

یونسؑ دہانِ ماہیٔ شب میں نہاں ہوا کنعانِ بامداد سے یوسفؑ عیاں ہوا
لیلیٔ شب کے حسن کا گلشن خزاں ہوا مجنونِ روز پردے میں گرمِ فغاں ہوا
تھی دھوپ یا کہ قیس کی رنگت وہ زرد تھی
کہیئے نہ صبحِ روز کی وہ آہِ سرد تھی

ذرّوں میں نورِ مہر در آیا قمر قمر لوٹا سحر نے معدنِ شبنم گہر گہر
بڑھ کر نقیبِ نور پکارا سحر سحر فرماں نجوم بدر کو بھیجا بدر بدر
برقع جو اُٹھ گیا تھا رخِ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبحِ ملمّع نقاب کا

تھا شام سے برہمنِ شب جو قمر پرست — خورشید نے لگائی اُسے ضربِ پشتِ دست
زنّارِ کہکشاں کو سراپا کیا شکست — ہُشیار بہرِ جنگ ہوئے شامیانِ مست
اُٹھیں گے آفتاب پرستوں کے دین میں
زہرا کا آفتاب چھپایا زمین میں

دیکھا جو حُسن خامۂ خورشید پُرضیا — شنجرف کو شفق نے سرِ دست حل کیا
فرماں قضا نے منشیِ تقدیر کو دیا — تحریر کر موافق ارشادِ کبریا
یہ آخری سپاہ حسینی کا اوج ہے
"ناظرنے حسینؑ نے لشکر نہ فوج ہے

تلوار کی تعریف

رستہ نہ تھا سروں پہ پھری اور ہوا ہوئی — تیری لہو میں ڈوبی تری اور ہوا ہوئی
بجلی کی طرح مڑ کے گھری اور ہوا ہوئی — بجلی گرائی خود بھی گری اور ہوا ہوئی
پانی بھرا گھٹا نے یہ طوفاں عیاں ہوا
یا ارضِ ابلعی سبق آسماں ہوا

کاٹا پلک کو آنکھ پہ پُتلی میں نور کو — پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو — سینہ میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو

ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں زباں میں یہ کاٹ آئی بات کو
عیسٰی کی طرح اوج فلک پر چلی گئی
ظلمت میں صاف مثل سکندر چلی گئی
مانندِ نبض ہاتھ کے اندر چلی گئی
سینہ میں ٹھہری دم لیا باہر چلی گئی
ممکن نہیں کسی سے کمال اُسنے جو کیا
اڑنے دیا نہ رنگ کو چہرے پہ دو کیا

تعشق

گرمی کا سمان

بالکل پڑے ہیں خشک کنوئیں تھی جہاں جہاں
کوسوں نہیں پرند بھلا آدمی کہاں
مارا ہے لوں نے جو کوئی نکلا ہے کارواں
شعلے کی ہے زمین دھوئیں کا ہے آسماں
ٹھنڈک کہیں نہیں ہے ہوا بھی اداس ہے
دریا ہوئے ہیں خشک زمیں کو یہ پیاس ہے
عریاں کھڑے ہوئے ہیں عجب حال سے شجر
پھینکی قبائے برگ بدن سے اُتار کر
مٹی پہ سر ٹپکتے ہیں گر گر گل و ثمر
چلائے ہیں برگ خزاں بھی اِدھر اُدھر
چلنے پہ قافلے ہیں گلوں کے تلے ہوئے
شوق ہوا میں بند قبا ہیں کھلے ہوئے



حضرت تعشق لکھنوي

کوسوں نہ کھیت ہیں نہ کہیں سبز ہیں نہال — کھا کھا کے دھوپ کوہ میں پتھر ہوئے ہیں لال
چھپ چھپ کے بیٹھتے ہیں چراگاہ میں غزال — جھیلوں میں ہیں پڑے ہوئے طائر کشادہ بال
گرمی سے ہیں ترائی میں بھی دل بھرے ہوئے
بیٹھے ہیں شیر خاک پہ سینہ دھرے ہوئے

ہر بحر پر ہے آگ کے دریا کا اشتباہ — جنگل یہ جل رہا ہے کہ ہیں جانور تباہ
نہریں پڑی ہیں خشک ہیں ندیاں نہ چاہ — پانی چھپا ہے دھوپ کی شدت سے زیر کاہ
اب زندگی سے مردمِ آبی کو یاس ہے
موجوں کی اینٹھتی ہیں زبانیں یہ پیاس ہے

ہے دوپہر رکے ہوئے ہیں قافلے تمام — بستر وہاں بچھائے ہیں ٹھنڈی جو ہیں مقام
پانی کا انتہا سے زیادہ ہے اہتمام — سائے میں آبِ سرد کے رکھے ہوئے ہیں جام
چشموں پہ جا بجا ہیں مسافر پڑے ہوئے
شہ دشتِ کربلا میں ہیں پیاسے کھڑے ہوئے

خیمے پڑے ہیں اہلِ ستم کے کنارِ جو — منہ ہاتھ دھو رہے ہیں جوانانِ زشت رو
پُر آب چھاگلیں ہیں لبالب ہر اک سبو — ممکن نہیں حسینؑ کو پانی پئے وضو
چلئے برائے نظر خدا سر لئے ہوئے
اس فکر میں کھڑے ہیں تیمم کئے ہوئے

تر ہے عرق سے پیرہنِ شاہِ بحر و بر — گرمی ہے کربلا کے بیاباں میں اس قدر
سیماب جس کی آنچ سے ہو آگ کا جگر — جلتی ہے آفتاب کی صورت ہر اک سپر
گو قصرِ دل سے چشم تک آئی ہیں چھاؤں میں

لیکن پڑے ہیں آبلے اشکوں کے پاؤں میں

وہ دھوپ ہے بجا نہیں اہلِ زمیں کے ہوش — چرخِ زبرجدی نظر آتا ہے شعلہ پوش

پانی ہے زیرِ خاک مگر کھا رہا ہے جوش — کہسار میں ہے گرم ہوا کا عجب خروش

رن میں تمام روز حرارت بڑی رہی

تا شام دھوپ نہر کے اندر پڑی رہی

وہ گرمیوں کی دھوپ وہ دن کی پیاسِ قہر — ہے تیغ آبدار نظر میں ہر ایک لہر

کہتی ہے خشکیٔ دہن بادشاہِ دہر — کوئی لگا دے منہ سے اُٹھا کر تمام نہر

ہر جزوِ تن پہ پیاس کی شدت سی گرم ہے

جنگل تمام دل کی حرارت سے گرم ہے

کیا ضعف سے رُخِ شہِ ابرار زرد ہے — پرتو سے دُھوپ صورتِ بیمار زرد ہے

ہر نخل مثلِ صاحبِ آزار زرد ہے — گرد و غبارِ وادیٔ پُرخار زرد ہے

صدقے ہیں دل بہار و خزاں پر جہان کے

ٹپکا عرق کہ پھول جھڑے زعفران کے

رئیس

منظرِ صبح

کھولا جو مہر نے علمِ زرنگار کو — ضو نور کی ملی فلکِ بے مدار کو

پایا جو خوشگوار نسیمِ بہار کو
تھا بن میں وجد ہر شجرِ سایہ دار کو
رونق دوچند ہو گئی دنیائے زشت کی
خوشبو ہوا سے آگئی باغِ بہشت کی

تڑکا وہ نور کا وہ بیاضِ سحر کا رنگ
تھا زرد چرخ نیلوفری پر قمر کا رنگ
کوسوں گلوں سے تھا شفقی دشت و در کا رنگ
ہر بار جھومتا تھا یہ تھا ہر شجر کا رنگ
جھونکے ہوا کے چار طرف سرد سرد تھے
ذروں میں یہ چمک تھی کہ ہیرے بھی گرد تھے

دلچسپ بلبلوں کے وہ نغمے دمِ سحر
شاخوں پہ طائروں کا چہکنا اِدھر اُدھر
شاداب تھے جو برگِ گل و غنچہ و ثمر
گویا دلھن بنی ہے ہر اک شاخ سر بسر
دیکھا جو رنگ سبزۂ دشتِ نبرد کا
چہرہ اُتر گیا فلکِ لاجورد کا

وہ آب و تاب نہر کی اور خوشنما وہ بن
جس کی فزا ہیں گلشنِ جنت پہ طعنہ زن
وہ سرخ سرخ بر میں ہر اک گل کے پیرہن
جس پر ہزار جاں سے فدا بلبلِ چمن
کیوں کر نہ اُس زمیں کو یہ رتبے حصول ہوں
جس خاک پر بسے ہوئے زہراؑ کے پھول ہوں

آئی نظر سحر کی سپیدی جو ناگہاں
نکلے پئے نماز شہنشاہِ دوجہاں
اکبرؑ نے شد و مد سے جو صحرا میں دی اذاں
آنسو بھر آئے رونے لگے قبلۂ زماں
اُس دم زباں پہ تھا یہ ہر اک دل ملول کی
یہ آخری اذاں ہے شبیہِ رسولؐ کی

پُرنور وہ صفیں وہ نمازی نکوسیر ایک ایک حق شناس و نمودار و نامور
ذی قدر یادگارِ جہاں غیرتِ قمر سوکھے ہوئے لبوں پہ دعائیں وہ با اثر
ہیں حق کی یاد ساغرِ کوثر نظر میں تھے
گویا ملک زمیں پہ لباسِ بشر میں تھے

جب پڑھ چکے نمازِ سحر شاہِ تشنہ لب بہرِ وغا اُدھر سے بڑھی فوج بے ادب
تیر آئے جب قریب سپاہِ شہِ عرب غصّہ سے تھرتھرا گئے سب خاصگانِ رب
راحت جو غازیوں کو نہیں بے لڑے ہوئے
تیغوں کو تول تول کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے